اسلام
اور
امیر اسلام
مؤلف
سید حسین محمد نقوی الامروہوی ایڈووکیٹ

اسلام اور امیر اسلام

از

سید حسین محمد نقوی الامروہوی ایڈووکیٹ

نام کتاب	اسلام اور امیر اسلام
مولف	سید حسین محمد نقوی الامروہوی
اشاعت	۱۹۹۶ء
بار اول	۵۰۰ سو
کمپوزنگ	بک میکر ۲۷۔ نیو انارکلی لاہور
مطبع	عالمین پبلیکیشنز پریس ۱۰/۲۲ ریٹی گن روڈ، لاہور
ناشر	سید ناصر مہدی نقوی
	شاہ چراغ چیمبرز، لاہور
قیمت	/[illegible] روپے

اسٹاکسٹ :

افتخار بک ڈپو، اسلام پورہ، لاہور

العصر حیدر روڈ، اسلام پورہ، لاہور

انتساب

اس تاجدار حکومت الہیہ کے نام

جو بانی اسلام ہے

سید ناصر مہدی نقوی
ناشر

عرض مولف

یہ کتاب آپ کی پیش خدمت ہے امید ہے کہ آپ پسند فرمائیں گے۔
میری بارگاہ خداوند تعالیٰ میں دعا ہے کہ وہ میری اس حقیر کاوش کو تصدق چہاردہ معصومین علیہم السلام قبول فرمائے اور اس کا اجر عظیم میرے والدین اور دیگر مرحومین کو عطا فرمائے۔ آمین

خاکپائے امام العصر(ع)
سید حسین محمد نقوی الامروہوی
ایڈووکیٹ لاہور

فہرست

مضامین	صفحہ
○ تقدیم	1
○ اوصاف عقل	2 تا 6
○ علم	6
○ اقسام علم	7
○ دین القیم	10
○ عبادت خدا کا مفہوم	14
○ نظریہ اسلام	17
○ عدل	18
○ جماعت کی تشکیل	20
○ اسلام کی تعریف	23
○ اسلام اور معاشیات	25
○ سوشلزم	26
○ سرمایہ دارانہ نظام	27
○ اشتراکیت	28
○ اسلام کا معاشی نظام	29
○ اسلام میں نظریہ حکومت	36
○ خلافت الہیہ	43
○ اللہ کی حکومت	43
○ اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ حکومت	45
○ لفظ "اولو" کے معنی	49
○ لفظ "امر" کے معنی	50

○ امر بمعنی کام یا نفع 50
○ امر بمعنی کار 51
○ امر بمعنی کار و عمل 52
○ امر مقابل نہی حکم 55
○ امر بمعنی حکم 56
○ امر مقابل نہی 57
○ امر بمعنی فرمان 61
○ امر بمعنی مشورہ 62
○ امر بمعنی عذاب 62
○ امر بمعنی شان 63
○ امر بمعنی شے 64
○ امر بمعنی قول و رائے 64
○ امر بمعنی دین 64
○ یحکم بمعنی فیصلہ کرنا 65
○ وصی رسولؐ کا تقرر 72
○ سابق انبیاء و مرسلین کے اوصیاء 73
○ جانشین مصطفےٰ 78
○ صفات و فضیلت امام 83
○ نبی۔ رسولؐ اور محدث میں فرق 88
○ خلافت الٰہیہ اور ملوکیت 89
○ قرآن ہمارا دستور و قانون ہے 108
○ امیر اسلام 118
○ مملکت اسلامی مختلف العقائد علماء کی نظر میں 125

○ مملکت اسلامی کی بنیادیں 128
○ مملکت اسلامی کے لوازم 133
○ مملکت اسلامی میں حاکمیت اور جمہوریت 135
○ مجلس قانون ساز اور قانون سازی 136
○ غیر مسلموں کا موقف 139
○ رئیس مملکت 141
○ مسلم کی تعریف 142
○ ارتداد 147
○ جہاد 151
○ غیر مسلم مملکتوں کے مسلمانوں کا ردعمل 152
○ دوسرے اثرات 156
○ نتیجہ 162

تقدیم

موجودہ صدی میں مذہب کے خلاف جیسا منظم اور موثر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔
اس سے ہر شخص واقف ہے نام نہاد مہذب اور ترقی یافتہ طبقہ نے تو ضرورت دین اور
مذہب سے ہی انکار کر دیا ہے اور ان منکرین مذہب نے بہت لوگوں کو اس قدر دین و
مذہب سے بیزار بنا دیا ہے کہ وہ مذہب کو خرافات اور پسماندگی کا سبب سمجھنے لگے ہیں۔
ضرورت تو اس کی تھی کہ تمام اہل مذاہب متفق ہو کر لادینی اور دہریت کے خلاف محاذ
قائم کرتے مگر بجائے اس کے وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آراء نظر آتے ہیں۔
ان حالات میں اگر اہل اسلام پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اس قدر
اختلافات پائے جاتے ہیں کہ ہر فرقہ اپنے نظریہ کو نہ صرف درست جانتا ہے بلکہ
دوسرے فرقہ کے عقائد کو کھلم کھلا برا کہتا ہے چاہیے تو یہ تھا کہ مخالف اسلام عناصر کے
خلاف متحد ہو کر مسلمانوں کو اس زہریلے اثر سے بچانے کی کوشش کرتے اور تمام فرقہ
ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے کے بجائے بیرونی حملوں سے اسلام کو بچاتے
لیکن مسلمان اس سے غافل ہیں۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟ سب سے بڑی وجہ میری
دانست میں یہ ہے کہ جب کوئی ہمارے علمائے کرام کے سامنے قرآن اور فرمان رسولؐ
کے متعلق کوئی اعتراض پیش کرتا ہے یا اگر کوئی مسئلہ سمجھنے کے لیے ان حضرات سے
کوئی سوال کرتا ہے تو یہ حضرات اس کا کوئی معقول جواب نہیں دے سکتے اور یہ کہہ کر
اس کو خاموش کر دیتے ہیں کہ اس کا تو قلب ہی سیاہ ہو گیا ہے۔ اب تو اس کی خدا ہی
ہدایت کرے گا" دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ اہل مذہب نے صرف چند عبادتوں کو ہی
محور مذہب بنا لیا اور مذہب کو صرف عبادت گاہوں اور چند رسومات تک محدود کر دیا
ہے نہ صرف یہ بلکہ منافقین نے امت محمدیہ میں تفرقہ بازی کا ایسا زہریلا بیج بو دیا ہے
جس کی وجہ سے وفات رسولؐ کے فوراً" بعد ہی اختلافات کی ایسی آگ بھڑک اٹھی کہ
آج تک ٹھنڈی نہ ہو سکی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ محاسن و تعلیمات اسلام سے
مستفیض نہ ہو سکے۔ (مولف)

اوصاف عقل

تمام ادیان عالم میں صرف اسلام ہی دین فطرت ہے پھر کیا سبب ہے جو ہمارے علمائے کرام اس دین مقدس کی حفاظت کرنے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام خود تفکر و تدبر نہیں کرتے بلکہ علماء متقدمین کی فکر و تدبر کے نتیجہ میں جو علوم انہیں حاصل ہوئے ہیں اسی پر اکتفا کرتے ہیں وہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں۔ موجودہ سائنسی' صنعتی اور علمی دور میں نئے نئے تقاضے سامنے آتے ہیں۔ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا حل قرآن اور فرمان رسولؐ سے تلاش کیا جائے۔ ہم نے قرآن حکیم کی اکثر آیات کو جو متشابہ ہیں محکم سمجھ لیا اور فکر و تدبیر سے کام نہ لیا۔ یہ محنت شاقہ اس وقت ہوتی ہے جبکہ انسان اپنی عقل سے کام لے۔ احکام الہیہ کا تعلق ہر انسان سے نہیں ہوتا بلکہ صاحب العقل انسان سے ہوتا ہے پس یہ تقاضائے عقل ہے کہ جہاں احکام الہٰی میں کسی کام کے کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اسے نہ کرے اور جہاں احکام الہٰی میں کسی کام کے کرنے کا حکم دیا گیا ہو وہ کام کرے۔ اس موقع پر حضرت امام محمد باقرؑ سے ایک روایت درج ذیل ہے :

"جب خدا نے عقل کو پیدا کیا تو اسے قوت گویائی دے کر فرمایا آگے آ۔ وہ آگے آئی پھر کہا پیچھے ہٹ وہ پیچھے ہٹی پھر فرمایا اپنے عزت و جلال کی قسم میں نے تجھ سے زیادہ محبوب کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ میں تجھ کو صرف اسی شخص میں کامل کروں گا جس کو میں دوست رکھتا ہوں میں تیرے پختہ ہونے پر امر و نہی کرتا ہوں اور ثواب دیتا ہوں۔" (الکافی کتاب العقل)

حضرت رسول خداؐ کی ایک حدیث ان الفاظ میں ہے :

"خدا نے اپنے بندوں پر عقل سے افضل کوئی چیز تقسیم نہیں کی۔ عاقل کا سونا جاہل کے جاگنے سے بہتر ہے اور مقیم ہونا بہتر ہے جاہل کے سفرحج وغیرہ کرنے سے۔ خدا نے جس رسولؐ کو بھیجا وہ ازروئے عقل کامل تھا اس کی عقل کامل و افضل ہوتی ہے

تمام عابدوں کی عقلوں سے زیادتی عبادت کی وجہ سے وہ اولوالالباب ہیں جن کا ذکر خدا نے قرآن میں کیا ہے۔ (اصول کافی)

قرآن پاک میں ارشاد ربانی جابجا اس طرح ہے۔

فبستر عبادی الذین یستمعون القول یتبغون احسنه اولٰئک الذین هداهم الله واولٰئک هم اول الالباب○

ترجمہ : (اے محمدؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر میرا کلام سنتے ہیں اور اچھی بات پر عمل کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے اور وہ عقلمند ہیں۔

سخرلکم الیل والنهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره فی ذالک لا یات لقوم یعقلون○

ترجمہ : تمہارے لیے رات اور دن سورج اور چاند اور ستاروں کو مسخر کر دیا اور ستارے اس کے حکم سے مسخر ہیں ان میں عقلمندوں کے لیے خدا کی معرفت کی نشانیاں ہیں۔

کلام پاک میں پروردگار عالم ان لوگوں کی جو عقل نہیں رکھتے اس طرح مذمت فرماتا ہے۔

ومنهم من یستمع الیک فانت تسمع الصم ولو کانو لایعقلون (سورہ یونس)

ترجمہ : بعض ایسے ہیں کہ اے رسولؐ تمہاری بات سنتے ہیں (مگر راہ پر نہیں آتے) پس تو کیا تم بہروں کو سناتے ہو چاہے وہ عقل نہ رکھتے ہوں۔

وقال ام تحسب ان اکثرهم یسمعون او یعقلون ان هم کالانعام بل هم اضل سبیلا ○ (الفرقان)

ترجمہ : تو کیا تم اے رسولؐ یہ گمان کرتے ہو کہ اکثر لوگ جو تمہاری بات سنتے یا سمجھتے ہیں تو ایسا نہیں وہ تو چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی ازراہِ سبیل زیادہ گمراہ ہیں۔"

وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون○ (البقرہ)

ترجمہ : تم اپنے نفسوں کو بھولے جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

پروردگار عالم نے اکثریت کے اتباع کی ممانعت ان الفاظ میں فرمائی ہے :

ان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ○

ترجمہ : اگر تم اس اکثریت کا جو روئے زمین پر ہے اتباع کرو گے تو وہ تم کو خدا کے راستہ سے گمراہ کر دے گی۔

ہم نے مندرجہ بالا کلام پاک کی آیات، احادیث اور اقوال سے یہ نتیجہ نکالا کہ جو انسان عقل سے کام لیتے ہیں اور فکر و تدبر کرتے ہیں وہی پروردگار عالم کے نزدیک صحیح راستہ پر ہیں۔ عقلمندوں کی خصوصیات اور صفات جاننے کے لیے ہم ہشام بن الحکم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابوالحسن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے ان سے فرمایا :

"اے ہشام لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا کہ احکام کتاب اللہ کے آگے فروتنی کر۔ تاکہ تو لوگوں میں زیادہ عقلمند ہو بے شک عقلمند لوگ خدائے حکیم کے نزدیک کم ہیں کیونکہ اکثر لوگوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کی پیروی کر لی ہے۔ اے فرزند دنیا ایک گہرے سمندر کی مانند ہے جس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ پس چاہئے کہ تیری کشتی اس پرشور و شر دریا میں تقویٰ ہو اور متاع کشتی توجہ الی اللہ اور اس کا بادبان توکل اور اس کی کارفرما عقل ہو اور ناخدا علم اور پتوار صبر ہو اے ہشام۔ ہر شے کے لیے ایک دلیل ہوتی ہے اور دلیل عقل فکر ہے عواقب امور میں اور رہنمائی فکر خموشی میں ہے۔ ہر شے کا ایک مددگار ہے عقل کا مدار فروتنی پر ہے کیونکہ تکبر کرنا اور شیخی مارنا عقلمندی کی راہ سے ہٹا دیتا ہے اور بے عقل کے لیے اتنی بات

کافی ہے کہ جس چیز سے خدا نے منع کیا ہے اسے بجالائے۔

اے ہشام! عقلمند وہ ہے کہ حلال روزی کی کمی اس کے شکر کو کم نہیں کرتی اور حرام کی زیادتی اس کے صبر کو کم نہیں کرتی۔

اے ہشام! جس نے تین چیزوں کو تین پر مسلط کیا اس نے اپنی عقل کے خراب ہونے میں مدد کی جس نے طول عمل سے اپنی فکر کو تاریک کیا اس نے اپنے فضول کلام سے اپنی حکمت کے نوادر کو اپنے سے الگ کیا۔ جس نے اپنے نور غیرت کو بجھا دیا گویا اس نے عقل کی خرابی پر اپنی خواہشوں کی مدد کی جس نے اپنی عقل کو خراب کیا اس نے اپنے دین اور دنیا کو تباہ کیا۔

اے ہشام! حق طاعت خدا میں ہے اور نہیں ہے نجات مگر طاعت خدا میں۔ اور طاعت ہوتی ہے علم سے اور علم آتا ہے حاصل کرنے سے اور حاصل کیا جاتا ہے عقل سے اور نہیں علم لینا چاہئے مگر عالم ربانی سے اور معرفت علم کا تعلق عقل سے ہے۔

اے ہشام! جو چاہتا ہے کہ آرزوں سے چھٹکارا ملے اور حسد سے دل دور رہے اور امردین میں سلامتی حاصل ہو اسے چاہئے کہ اللہ کی طرف رجوع کرکے یہ سوال کرے کہ وہ اسکی عقل کو کامل بنادے جس کی عقل کامل ہوئی اس نے قناعت کی اور جس نے قناعت کی وہ مستغنی ہوگیا اور جس نے بقدر ضرورت پر اکتفا نہ کیا اسے استغنا کو کبھی نہ پایا۔

اے ہشام! جس نے خردمندی کی کتاب خدا سے حاصل نہ کیا اور اپنے دل میں معرفت پائندہ کو جگہ نہ دی جس سے مدد حاصل کرتا اور حقیقت کو پالیتا یہ تو وہی کریگا جس کا قول اسکے فعل کی تصدیق کرتا ہو ظاہر باطن کے مطابق ہو۔ کیونکہ خدانے لوگوں کی رہنمائی نہیں کی باطن خفی پر جس سے مراد عقل ہے مگر محکمات قرآن سے۔

اے ہشام! آدمی کی عقل کامل نہیں ہوتی جب تک اسمیں چند خصلتیں نہ ہوں:۔ اسکے کفر و شر سے امن ہو۔ اس سے نیکی اور خیر کی امید ہو۔ ضرورت سے زیادہ مال کو راہ خدا میں خرچ کرے دنیا سے اس کا حصہ قوت لایموت ہو۔ علم کی تحصیل سے سیر نہ ہو۔ راہ خدا میں ذلت اسکے نزدیک زیادہ محبوب ہو اس عزت سے جو غیر سے ملے۔ غیر کا تھوڑا احسان زیادہ سمجھے اور مانے۔ اپنا احسان دوسرے کے ساتھ کم سمجھے۔ سبکو اپنے سے بہتر اور اپنے کو ان سے بدتر جانے۔ عقلمند جھوٹ نہیں بولتا ہر

چند خواہش طبع ہو۔"
اس موقعہ پر ہم حضرت امام جعفر صادق" کا ایک قول عقل کے متعلق تحریر کرتے ہیں فرمایا:۔

"ستون انسانیت عقل ہے۔ اور خردمندی سے چار چیزیں حاصل ہوتی ہیں۔ اول محکمات قرآنی سے باطل اماموں کے عیب بتانا۔ دوسرے۔ امامان حق کے مرتبہ کو سمجھنا تیسرے۔ اپنی حد کو نگاہ رکھنا متشابہات قرآن وغیرہ میں چوتھے۔ یاد کرنا مسائل دینی کا امامان حق سے۔ اور عقل سے آدمی کامل ہوتا ہے۔ عقل رہنمائی انسان ہوتی ہے۔ چراغ چشم ہے۔ اور کلید کار بستہ۔ پس عقل کی مدد سے انسان دلائل ربوبیت اور محکمات قرآن کا عالم ہوتا ہے اور مسائل دین کی حفاظت کرتا ہے اور امامان حق کی ثناء کرتا ہے اور انکے مرتبہ کو سمجھنے والا ہوتا ہے پس وہ جان لیتا ہے کہ پیغمبر کے بعد اس کی امت کا حال کیا ہوا اور کیوں ہوا۔ اور کہاں ہوا۔ اور جانتا ہے کہ کس سے ملے اور کس سے الگ رہے اور جس نے یہ جان لیا اور اسکی اطاعت کا اقرار کیا جب ایسا ہوا تو اسنے فوت شدہ چیز کو پالیا اور آنے والی حالت کو سمجھ لیا اور یہ بھی جان لیا کہ وہ کن حالات میں ہے اور کس وجہ سے ہے۔ کہاں سے آیا ہے اور کہاں جارہاہے یہ سب بتائیہ عقل ہے۔ عقل مومن کی رہنما ہے"

یہ ہیں عقل کے کرشمے جن سے انسان اپنی زندگی سنوار سکتا ہے۔

علم

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ حق طاعت خدا میں ہے اور اطاعت علم سے ہوتی ہے اور علم عقل سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جابجا کلام مجید اور احادیث میں علم حاصل کرنیکی تاکید موجود ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم سے مراد کون سے علوم ہیں یوں تو کسی نا معلوم چیز کو جان لینا ہی علم کہا جاتا ہے۔ مگر علم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ علم ایک مقولہ کیف ہے جو اپنے محل پر واضح ہو جائے۔ یعنی ایک ایسی کیفیت جو ذہن میں صورت پذیر ہو کر اسکے آثار ظاہرین منکشف ہو جائیں۔

کیا موجودہ علوم کو علوم کامل کہا جاسکتا ہے یا نہیں ان علوم کی تاریخ دیکھنے سے پتہ

چلتا ہے کہ ہر علم کے نظریات اور کلیہ بدلتے رہتے ہیں اور جوں جوں علم میں ترقی ہوتی رہتی ہے سابقہ کلیہ اور نظریات میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ پس وہ علوم جو درسگاہوں کالجوں اور اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں ان کو علم حقیقی کہنا غلط ہوگا۔ دراصل یہ علوم خادمہ ہیں جو علم حقیقی حاصل کرنے میں معاون تو کہلائے جاسکتے ہیں لیکن حقیقی علم نہیں مانے جاسکتے۔ اسی طرح علوم تفاسیر و احادیث میں بھی مفسرین اور محدثین نے غلط روایات اور مفاہیم تحریر کر کے افتراق پیدا کیا ہے۔ پس نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگوں کا سوچ کر یا تجربات پر مبنی علم حقیقی علم نہیں ہے اسی لیے کسی ایک علم میں بھی کسی اکتسابی علم رکھنے والے کو کمال حاصل نہیں ہوتا اور وہ شخص یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ جو کچھ وہ معلوم کر چکا ہے وہ اس علم کا حرف آخر ہے حقیقی علم تو وہی ہو سکتا ہے جسمیں کوئی غلطی موجود نہ ہو۔ جو اختلافات اور تفرقہ بازی کا مرض نہ پیدا کرے جس سے دنیا اور آخرت کی بھلائی حاصل ہو سکے۔ لہذا علم حقیقی وہی ہو سکتا ہے جو منجانب خدائے لایزال عطا ہوا ہو اور ایسے افراد سے حاصل کیا جائے جن کے غلطی کرنے کا امکان ہی نہ ہو جن کو غلطی سے پاک رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے خود ذمہ لیا ہو۔

اقسام علم

علم کی چار اقسام اس طرح کی جاسکتی ہیں۔

ا۔ علم ذاتی یا سرمدی:۔ یعنی وہ علم جو ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہے گا اور وہ صرف اللہ کی ذات واجب الوجود ہے اللہ کی صفات عین ذات ہیں لہذا اس کا علم عین ذات ہے یعنی اسکی ذات اور اس کا علم دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ ذات خدا خود علم ہے۔ خداوند تعالیٰ ذات و صفات کا مرکب نہیں بلکہ اس کی صفات عین ذات ہیں۔ اسنے کسی سے علم نہیں لیا بلکہ اسکا ذاتی ہے پس علم ذاتی سرمدی صرف اور صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ہے اور کسی کا نہیں۔

۲۔ علم وہبی امری:۔ یہ وہ علم ہے جو خدا نے اپنے مقرر کردہ ہادیان برحق کو اپنے امرخاص سے عطا فرمایا ہے اور یہ علم اکتسابی نہیں لیکن یہ علم جس جس کو عطا ہوا اسکی ذات اور علم دو الگ الگ چیزیں ہیں مگر ذات سے وابستہ ہیں عین ذات نہیں۔

۳۔ علم اکتسابی:۔ یہ وہ علم ہے جو اکتساب سے حاصل کیا جائے کیونکہ جو

لوگ علم وہبی امری سے محروم ہوتے ہیں وہ اسکے محتاج ہوتے ہیں کہ وہ علم حقیقی وہبی امری ان ہستیوں سے حاصل کریں جنھیں اللہ نے عطافرمایا ہے ۔ علم اکتسابی کیلئے پروردگار عالم نے عوام الناس کو حواس خمسہ عطا فرمائے جن کے ذریعہ وہ علم حاصل کرتا ہے۔

۴۔ **علم بدیہات فطری:۔** یہ علم فطری طور پر ہر شخص کو عطاہوا ہے جیسا کہ ضروری بدیہی امور کو ہر شخص جانتاہے مثلاً" سچ اچھی چیز ہے اور جھوٹ برا ہے یا دودھ سفید ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اس علم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایاہے کہ "تم لوگوں کو علم نہیں دیاگیا مگر قلیل" اگر پروردگار علم انسان کو فطری علم نہ دیتا تو انسان اکتساب علم کے قابل ہی نہ ہوتا۔ ذات واجب الوجود کسی سے علم حاصل کرنیکی نہ کبھی محتاج تھی اور نہ ہو سکتی ہے لیکن ہادیان برحق علم وہبی خدا سے حاصل کرنے کے محتاج تھے اسی طرح عوام الناس ان ہادیان برحق سے علم حاصل کرنے کیلئے محتاج ہیں۔ لہٰذا علم قرآن عوام الناس اس وقت تک حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ وہ ان ہادیان دین سے جنکو پروردگار عالم نے علم وہبی عطا کیا ہے رجوع نہ کریں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اصل قرآن وہی مفہوم ہے جو قلب رسولؐ پر نازل ہوا اور حضورؐ نے اسکو لفظوں میں ظاہر فرمایا۔ ہر شے کے چار وجود ہوتے ہیں:۔

۱۔ وجود ذہنی۔ یعنی کسی کو مثلاً" آفتاب کا خیال آیا تو اسکے ذہن میں آفتاب کی شکل آگئی یہ وجود ذہنی ہے۔

۲۔ وجود ملفوظی۔ یعنی کسی نے کہا "آفتاب" یہ اس کا وجود ملفوظی ہوا۔

۳۔ وجود مکتوبی۔ یعنی کسی نے لکھا "آفتاب" یہ اس کا وجود مکتوبی ہوا۔

۴۔ وجود حقیقی۔ یعنی آفتاب بذات خود اپنا وجود حقیقی ہے۔ پس اگر ایک شخص قرآن مجید پر نظر کرتا ہے تو جو کچھ اسکے ذہن میں آتا ہے وہ وجود ذہنی ہوا اور جب تلاوت کرتاہے تو آواز خود اسکے منہ سے نکلتی ہے وہ وجود ملفوظی ہوا اور جو کچھ اوراق پر لکھا ہوا ہے وہ وجود مکتوبی ہوا اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید کا وجود حقیقی کہاں ہے تو خود قرآن کریم ہی فرماتا ہے۔

بل ہوا آیت بینت فی صدور الذین اوتو العلم(۸ پارہ ۲۱ ع ۱)

ترجمہ۔ بلکہ وہ تو واضح نشانیاں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم دیا گیا

حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے۔

العلم نور یقذف اللہ فی قلب من یشاء

ترجمہ : علم تو وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ ڈالتا ہے جس کے دل میں وہ چاہے تو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم کا حقیقی مفہوم وہی جانتے ہیں جو علم میں کامل اور راسخ ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہوا ہے۔ ہمیں تو ایک ذرہ کا بھی علم نہیں علم تو اس وقت کہہ سکتے ہیں جب حقیقت معلوم ہو۔ رسول کریم کی بعثت کا مقصد قرآن کریم ان الفاظ میں فرماتا ہے۔

ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلو علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمتہ (سورہ جمعہ ع ۱)

ترجمہ : وہ وہی ذات اقدس ہے جس نے مکہ والوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا تاکہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے اور ان کے نفسوں کا تزکیہ کرے اور ان کو علم و حکمت کی تعلیم دے۔

یعنی نفسوں سے لاشعوری کی تاریکی دور ہو اور علم حقیقی حاصل کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ معرفت اور کمالات روحانی کے حصول کی اہلیت تمام انسانوں میں تو ہو ہی نہیں سکتی لہٰذا اگر کوئی صاحب معرفت یہ دعویٰ کرے کہ اسے تمام قرآن کے ظاہر و باطن کا پورا علم ہے تو وہ سوال کرنے والے کے ہر سوال کا جواب اس وقت ہی دے سکتا ہے جب کہ وہ خود بھی اس شے کا علم رکھتا ہو جس کے متعلق اس سے سوال کیا گیا ہے اور اگر وہ صاحب معرفت اپنے جواب میں ایسے راز ظاہر کر دے جن کا جاننے والا اس وقت دنیا میں کوئی نہ ہو اور نہ ہی ان معلومات کے حصول کا کوئی ذریعہ یا وسیلہ ہو اور جب صدیوں بعد ایسے وسائل اور ذرائع اور آلات پیدا ہو جائیں اور ان کے ذریعہ ان سوالوں کے متعلق صحیح حالات معلوم ہو جانے پر صدیوں پہلی باتوں کی تصدیق ہو جائے تب تو ہمیں یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ اس صاحب معرفت کا علم کسبی نہ تھا بلکہ پروردگار عالم کی طرف سے عطا ہوا تھا اور اگر وہ یہ بھی کہے کہ اسے تمام علم قرآن کریم سے حاصل ہوا ہے تو ہمیں یہ ماننے میں تردد نہ ہو گا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے

بعد وہی علم حقیقی جانتا ہے۔ ہمیں بعد رسولؐ کریم صرف اور صرف حضرت علی علیہ السلام کی ذات گرامی ان خصوصیات کی حامل نظر آتی ہے۔ آپ فرماتے تھے :

"جو تمام علم قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا وہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سپرد کر دیا اب مجھ سے پوچھ لو آسمان کے متعلق یا زمین کے متعلق میں تم کو جواب دوں گا۔"

چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے دریافت کیا کہ اہرام مصر کب بنائے گے؟ آپ نے فرمایا تو کون سے اہرام کے متعلق دریافت کرتا ہے۔ کہنے لگا۔ "جزمان" کے متعلق حضرت نے فرمایا اس پر کوئی تصویر بنی ہو گی وہ کیا ہے؟ اس نے کہا۔ "ایک گدھ کی تصویر ہے جس کے منہ میں کیکڑا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ ہی اس کی تعمیر کی تاریخ ہے جزمان اس وقت بنایا گیا جب ستارہ نصر برج سرطان میں تھا۔ اس ستارہ کا دور آٹھ ہزار سال میں پورا ہوتا ہے۔ اور اب وہ دور پورا کرنے والا ہے"

ایک اور شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ زمین سے سورج تک مسافت کتنی ہے آپ نے فوراً جواب دیا کہ "گھوڑے کی پانچ سو سال کی مسافت جتنی سورج کی زمین سے مسافت ہے۔" ایک عربی گھوڑے کی اوسطاً رفتار ساڑھے اکیس میل فی گھنٹہ ہے پانچ سو سال کی مسافت نو کروڑ اٹھائیس لاکھ اسی ہزار میل بنتی ہے۔ دور حاضر کے سائنس دانوں نے جو اندازہ لگایا ہے وہ نو کروڑ اٹھائیس لاکھ تیس ہزار میل کے قریب ہے۔ یہ تھوڑا سا جو فرق ہے وہ سائنس دانوں ہی کی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ جس ہستی نے اس دور میں بغیر آلات کے صرف علم وہبی اتنا صحیح فاصلہ بتایا وہ غلط نہیں ہو سکتا تو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس عارف کامل کو قرآن حکیم کا حقیقی علم ہے۔

دین القیم

اب ہمیں اس پر غور کرنا ہے کہ جب کہ ہر شے کا علم قرآن میں ہے تو کیا یہ صرف ایک خوش عقیدگی ہے اور اگر نہیں تو پھر مسلمان اس سے بہرہ مند کیوں نہیں ہوتے یا انہیں کیوں نہیں سکھلایا گیا۔ اس دنیا کا ہر شخص جتنے بھی علوم و فنون حاصل

کرتا ہے اس کا مقصد منتہی صرف اور صرف مال و دولت حاصل کرکے اپنی خواہشات اور ضروریات کو پورا کرکے سکون قلب حاصل کرنا ہوتا ہے تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دولت کثیر جمع کر لینے پر اطمینان قلب میسر آ سکتا ہے یا نہیں۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ جتنی زیادہ دولت جمع ہوتی ہے اتنے ہی تفکرات کا ہجوم ہوتا ہے اور اطمینان قلب دور ہوتا جاتا ہے۔ اسلام بھی تو اطمینان قلب عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :

الذین امنو تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (پارہ ۱۳ع ۱۰)

ترجمہ : ایمان والوں کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو جاتے ہیں آگاہ ہو اور اللہ کی یاد سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔"

رسولؐ کریم کا مقصد تو یہ ہی تھا کہ بنی نوع انسان کو اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال کر دیں جو علوم و فنون مادی اور دولت کثیر حتیٰ کہ بادشاہت سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اطمینان قلب تو فطرت کے ان قوانین پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے جن کا تعلق نفس انسان سے ہے قرآن پاک صاف صاف بیان کر رہا ہے۔

الم تران اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب و کثیر من الناس و کثیر حق علیہ العذاب ومن یھن اللہ فما لہ من مکرم ان اللہ یفعل ما یشاءO (سورہ حج ع ۲ پ ۱۷ع ۹)

ترجمہ : کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ وہ ہے کہ اسی کو سجدہ کر رہے ہیں جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سورج' چاند' ستارے' پہاڑ' درخت' چوپائے اور بہت سے لوگوں میں سے بھی اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے اور جس کو خدا ذلیل کرے اس کو کوئی عزت دینے والا نہیں ہو سکتا اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

اس آیت میں انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ تمام مخلوق سجدہ خالق میں مصروف ہے یعنی اس کے حکم کے مطابق اس فطرت پر عمل پیرا ہے جس کے لیے اسے خلق کیا گیا ہے اس سے سرمو تجاوز نہ کرنا ہی افضل ترین عبادت ہے اور یہی سجدہ حقیقی ہے صرف ایک انسان ہی ایسا بدبخت ہے جو فطرت کے خلاف عمل کرتا ہے۔ خالق کائنات

نے تو بتا دیا کہ اصل دین اور حقیقی اسلام یہی ہے کہ بندہ اپنی اس فطرت کے مطابق عمل کرے جو خالق نے اس کے اندر ڈالی ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے :

فاقم وجهک للدین حنیفا ط فطرة اللّٰه التی فطر الناس علیها ط لا تبدیل لخلق اللّٰه ط ذالک الدین القیم ولا کن اکثر الناس لا یعلمون O (پ ۲۱ ع ۷ سوره روم ع ۴)

ترجمہ : پس اپنے نفس کو قائم کر لے دین کے لیے یکسو ہو کر اللہ کی وہ فطرت جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی یہی تو مضبوط دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اس آیت میں تو خالق نے بتا دیا کہ فطرت کے عین مطابق عمل کرنا ہی اسلام اور دین حقیقی ہے۔ ہر بچہ یہ فطرت لے کر پیدا ہوتا ہے "کہ میں سب سے اچھا" پس اس کو لازم تھا کہ سب سے اچھا بننے اور بنا رہنے کی کوشش کرتا رہے۔ یہ فطرت ہے جو کبھی نہیں بدل سکتی مگر چونکہ نفس امارہ کو اس کوشش سے اذیت ہوتی ہے لہٰذا وہ اس کو بھلا دینے کی کوشش کرتا ہے اور یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ میں اچھا سمجھا جاؤں مجھے کوئی برا نہ کہے مگر ان کو بھلائے رہنے کے باوجود جب کوئی اسے برا کہتا ہے تو وہ بھولا ہوا سبق پھر یاد آ جاتا ہے اور برا کہنے والے سے لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ فطرت حقیقی پھر ابھر آتی ہے۔ اسی طرح کائنات کی ہر شے اپنی فطرت پر عمل کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اپنی معینہ گردش سے سرمو تجاوز نہیں کرتی۔ یہی شان عبدیت ہے ایک انسان ہی ایسا بدبخت ہے کہ اپنی فطرت کا علم حاصل کرنے کے بجائے محض خواہشات و جذباتی تسکین میں مصروف رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج تمام دنیا فساد سے بھری ہوئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس ط

ترجمہ : خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا اس کے سبب جو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے کمایا۔

لوگوں نے قوم پرستی، وطن پرستی اور خود پرستی کے جذبات کی تسکین کرنا چاہی جن کے نتیجہ میں تمام روئے زمین پر فساد پھیل گیا۔ اگر لوگ اپنی فطرت صحیحہ پر عمل کرتے تو یہ دن کیوں آتے۔ فطرت صحیحہ کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک

جذبات کا جوش نہ مٹے اس کے بعد ہی خودغرضی' تن پروری اور نفس پرستی میں کمی ہو سکے گی اور تب ہی امن قائم ہو سکے گا۔ پس اگر انسان کی عقل فطری خواہشات اور جذبات پر غالب آ جائے تو اس کے کام بھی بے غرض ہو جائیں گے۔ خدا کا پیارا محبوب دنیا سے خودغرضی مٹانے آیا اور محبت کا پیغام لایا قرآن کریم نے ایمان کی علامت اس طرح فرمائی ہے۔

والذین امنوا اشد حباً للہ

ترجمہ : جو لوگ ایمان لائے اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں۔

خدا کے حبیب نے تمام اہل عالم کو ایمان لانے کی دعوت دی اگر ایمان لے آئیں اور حب اللہ پیدا ہو جائے تو اغراض مٹ جائیں اس لیے کہ محبت میں احساس غرض نہیں رہتا۔ وہ بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ان کے کام خلق اللہ کے فائدے کے لیے ہوتے ہیں۔ یہی شان عبدیت ہے۔ پروردگار عالم تو بار بار فرماتا ہے کہ "اے نادان انسان تو گھبراتا کیوں ہے میرا بندہ بننا تیرا کام نہیں ہے یہ تو میرا ہی کام ہے تیری طرف سے تو صرف رغبت درکار ہے۔ اگر تو مجھ سے طلب کرے گا اور صدق دل سے چاہے گا تو میں خود تجھے اپنا بندہ بنا لوں گا۔"

ارشاد رب العزت ہے۔

ونھدی الیہ من اناب

ترجمہ : وہ اپنی طرف ہدایت کرتا ہے اس کو جو رغبت کرے۔

حدیث قدسی میں ارشاد ہے :

عبدی اطعنی اجعلک مثلی

ترجمہ : میرے بندے میری اطاعت کر تو تجھے اپنا جیسا بنا لوں گا۔

جب تو میرا بندہ بن جائے گا تو پروردگار عالم انعام میں کیا دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

سخر لکم ما فی الارض جمیعاً

ترجمہ : اللہ نے مسخر کر دیا تمہارے لیے ان سب چیزوں کو جو زمین میں ہیں۔

عبادت خدا کا مفہوم

ہم بس نماز پڑھنے، رکوع کرنے، سجدہ کرنے، روزہ رکھنے، حج کرنے اور رسومات مذہبی ادا کرنے کو ہی عبادت سمجھتے ہیں۔ آخر کیوں اس لیے کہ نفس انسان کی عادت ہے جو الفاظ سنتا رہتا ہے ان کا کچھ نہ کچھ مفہوم ذہن میں قائم کرلیتا ہے۔ ہم نے بزرگوں کو کہتے سنا اور کرتے دیکھا اور ہم بھی وہی کرنے لگے لیکن عبادت کی حقیقت جاننے کی کوشش نہ کی۔ "عبادت" کے لغوی معنی "بندگی کرنا ہے" اور بندگی کرنے والے کو "عبد" یا غلام کہتے ہیں۔ غلام اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنی ذات کا خود مالک و مختار نہ ہو بلکہ کسی غیر کو اس کی ذات پر حق تصرف مالکانہ حاصل ہو۔ عبد کا معبود اس ذات کو کہیں گے جس کو اس عبد پر تصرف مالکانہ کا حق ہو لہٰذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عبد مملوک کو کہتے ہیں تو پھر معبود کس کو کہیں گے۔ عبد کا معبود اس ذات کو کہیں گے جس کو اس عبد پر تصرف مالکانہ کا حق اور اختیار حاصل ہو۔ پروردگار عالم کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ (پ ۲۷ ع ۲ الذاریات)

ترجمہ : اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس لیے کہ وہ سب ہماری عبادت کریں۔

اس آیت کو پڑھنے کے بعد شک کرنے والوں کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خالق نے تمام جن و انس کو اپنی عبادت کے لیے خلق کیا اور ظاہر ہے کہ بکثرت افراد عبادت خالق نہیں کرتے تو مقصد خلقت پورا نہیں ہوتا تو اہل عالم کے عبادت سے روگردان ہونے کا ثبوت خود قرآن کریم میں موجود ہے۔

الم اعهد الیکم یبنی آدم ان لا تعبدوا الشطن ج انه لکم عدو مبین ○ وان اعبدونی هذا صراط مستقیم ولقد اضل منکم جبلا " کثیرا " ط افلم تکونو تعقلون ○ (سورہ یاسین ع ۴)

ترجمہ : (اے بنی آدم کیا ہم نے تم سے عہد نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھی راہ ہے اور البتہ تم میں سے بہت سوں کو اس نے گمراہ کر دیا کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ بکثرت انسان شیطان کی بندگی میں مصروف رہتے ہیں اور مالک حقیقی کی بندگی نہیں کرتے حالانکہ خالق نے اپنی بندگی کے لیے بنایا تھا۔ اس سے صانع کا نقص ظاہر نہیں ہوتا بلکہ صنعت کا نقص ظاہر ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ جو چیز جس کام کے لیے خلق کی جائے اس سے وہ مقصد حاصل نہ ہو۔ اب ہمیں عبادت حقیقی اور شیطان کی عبادت کے مفہوم پر غور کرنا ہے کیا مالک حقیقی کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ عذاب کے خوف سے بندگی کرنے سے مل جائے گا؟ کیا انعام کے لالچ میں اس کی خوشنودی میسر ہو سکتی ہے؟ ان دونوں صورتوں میں تو اپنی غرض ظاہر ہے۔ ہاں اگر مالک حقیقی سے محبت ہے تو بالکل بے غرض بندگی سے ہی اس کی خوشنودی اور رضا حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر ڈر اور خوف سے کام کیا تو تمہارا نفس خائف ہونے کی وجہ سے تم سے کام لیتا ہے اور اگر انعام کے لالچ میں بندگی کی تو نفس کو لذات کی خواہش نے مجبور کیا ان دونوں حالتوں میں نفس کے حکم کی پیروی ہوئی اور وہ اس میں شریک ہو گیا اور بندگی خالص نہ ہوئی خالص بندگی تو وہی ہو گی جس میں خواہشات و جذبات نفس کی شمولیت نہ ہو بلکہ خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر محض مالک کی محبت میں بندگی بجالائیں جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے۔

لن ینال اللہ لحومھا والا دماءھا ولکن ینالہ التقوٰی منکم ○

ترجمہ : اللہ کو ہرگز نہیں پہنچتا اور اس کا گوشت اور نہ اس کا خون اس کو تو صرف تمہارے دل کا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یعنی وہ خلوص جو تمہارے دلوں میں خدا کے لیے ہوتا ہے۔ غرضیکہ کوئی عمل خیر جس میں ہماری نفسانی خواہشات اور اغراض شامل ہوں' لائق ستائش نہیں ہوتا۔ تمام عبادات' رسومات جن میں خلوص نہ ہو ناقص ہیں۔ نماز' روزہ' حج' زکوۃ اور دیگر مذہبی رسومات صرف ریاضت نفس کے لیے ہیں جو عبادت حقیقی کا اہل بنانے کے لیے لازم قرار دی گئی ہیں چونکہ خالق نے ہی ان کے بجالانے کا حکم دیا ہے اور یہی عبادت حقیقی تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ لہذا حقیقی عبادت میں وہی اعمال ہو سکتے ہیں جن سے مالک کی صفات کا ظہور ہو اور اس کی خوشنودی کے لیے کئے جائیں۔ جب ہم اپنی حیات دنیا کے ایک ایک عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم تو صرف آئندہ کے آرام و آسائش کے شوق یا آئندہ زندگی کی تنگ دستی اور پریشان حالی کے خوف سے کام

کرتے ہیں۔ رضائے الٰہی کی تلاش کا تو ہمیں خیال تک نہیں آتا ہماری زندگی کا کوئی کام خالق حقیقی کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اپنے جذبات کی تسکین کے لیے ہوتا ہے۔ افسوس ہمیں دنیاوی مصائب اور حوائج میں تو وہ یاد آتا ہے اور اس سے تڑپ کر دعائیں مانگتے ہیں ادھر مشکل حل ہوئی اور ہم اسے بھول گئے قرآن پاک نے ہماری اس حالت کی تصویر کشی ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

واذا میس الانسان الضر دعانا لجنبه او
قاعدا" او قائما" فلما کشفنا عنه ضره مر
کان لم یدعنا الی ضرمسه ط کذالک زین
المسرفین ما کانوا یعملون O (پ ۱۱ ع ۷)

ترجمہ : اور جب انسان پر مصیبت پڑتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے لیٹے لیٹے بیٹھے بیٹھے کھڑے کھڑے پس جب ہم اس کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو اپنی رفتار پر چلنے لگتا ہے گویا کہ اس نے وہ مصیبت دور کرنے کو جو اس پر پڑتی تھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا اس طرح گنہگاروں کے لیے وہ عمل زینت دیئے گئے ہیں جو وہ کرتے تھے۔

ایسی صورت میں ہم اس معبود حقیقی کے عبد کہلانے کے کیا مستحق ہو سکتے ہیں۔ نہیں ہرگز نہیں۔ آقا کی خوشنودی تو وہی غلام حاصل کرے گا جو مالک کی محبت میں سرشار ہو کر اس کی وفاداری کے جوش میں ہر شے کو اس کی ملکیت سمجھتے ہوئے بندگی کرے۔ تمام جن و انس ہردم ہر لحظہ اس کی بندگی میں مشغول ہیں ان میں سے بعض جو اہل شعور و عقل ہیں سب کچھ اسی کے لیے کرتے ہیں ان کو رضائے الٰہی حاصل ہوتی ہے باقی سب غفلت و لاشعوری میں اپنے نفس کی غلامی یا بندگی کرتے ہوئے شب و روز معبود حقیقی کی عبادت میں مصروف نظر آتے ہیں لیکن ان مشقتوں کے باوجود رضائے الٰہی میسر نہیں آتی۔ دیکھئے پروردگار عالم کیا فرماتا ہے۔

وله اسلم من فی السموت والارض طوعا" و
کرها" والیه یرجعون O (پ ۳ ع ۱۷)

ترجمہ :

اور جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی طاعت
میں رغبت سے یا کراہت سے مصروف ہیں اور اسی کی
طرف ان کی بازگشت ہے۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ سب اس کی بندگی میں مصروف ہیں لیکن جو رضا و رغبت سے بندگی خالق بجالاتے ہیں وہ رضائے الٰہی پاتے ہیں اور جو باکراہ عمل کرتے ہیں وہ محروم رہتے ہیں۔ حقیقی بندگی بغیر تزکیہ نفس اور صفائے باطن ممکن ہی نہیں۔ بندگی کا کمال کمال عبدیت میں ہے کہ عبد اپنے معبود میں فنا ہو جائے عبد کی ہر خواہش معبود کی منشا کے مطابق ہو۔ عبد کی رضا معبود کی مرضی اور معبود کی رضا عبد کی مرضی ہو جائے اس مقام پر پہنچنے پر بندہ کو ملک کی املاک میں حق تصرف حاصل ہو جائے گا۔ جو مالک کی مرضی سے ہو گا یہ وہ مقام ہے جس کا سمجھنا ہمارے لیے مشکل ہے اور جو ہستیاں اس مرتبہ پر فائز ہیں وہی تو خلیفۃ اللہ' اولیاء اللہ اور حاملان امر الٰہی ہوں گی۔ وہی ہستیاں صفات الٰہیہ کی مظہر و کامل ہوں گی تب ہی تو وہ یہ تعلیم دینے کے لیے منتخب کئے جائیں گے اور یہ پیغام دیں گے۔

ایھا الناس تخلقوا باخلاق اللہ

ترجمہ : لوگو تم اپنے میں صفات الٰہیہ پیدا کرو۔

نظریہ اسلام

جب تک ہم شیطان کی بندگی کرتے رہیں گے۔ رضائے الٰہی سے محروم رہیں گے کوئی معقول انسان اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ رحم و کرم اور شفقت علی الخلق ہی صفات انسانیت ہیں جب تک آدمی میں یہ صفات پیدا نہ ہوں انسان کہلانے کا مستحق نہیں۔ ہمیں اس مانی ہوئی حقیقت کی روشنی میں مذہب کو بھی دیکھنا چاہئے اس لیے کہ مذہب اسی راستے کو کہتے ہیں جس پر چل کر آدمی جو اپنی خواہشات اور جذبات کی تسکین میں درندہ صفت اور چوپایہ خصائل ہو جاتا ہے۔ جو اپنی خواہشات و جذبات اور اپنے اغراض کی تکمیل کی خاطر دوسرے ہم جنسوں کی خواہشات و جذبات' اور حقوق کا خیال رکھنا تو کجا ان کو پامال کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ مال و دولت' جاہ و حشمت کی خواہش اور اقتدار کی ہوس میں اندھا ہو جاتا ہے ان تمام باتوں سے بلند و بالا ہو کر ہوا و

ہوس پر غلبہ حاصل کرکے مخلوق خدا کے لیے رحم و کرم، شفقت و محبت کا مجسمہ بنے تب وہ انسانیت کی منزل میں داخل ہوتا ہے۔ اگر ہر شخص میں رحم و کرم، ایثار و ہمدردی اور شفقت خلق کے جذبات پیدا ہو جائیں اور اتنے قوی ہوں کہ دوسرے جذبات سے مغلوب نہ ہو سکیں تو ہمیشہ امن قائم رہے ہر شخص آزادی اور سکون سے زندگی بسر کر سکے۔ دنیا میں بلند اخلاق کے حامل شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں۔ کثرت ان افراد کی ہے جو خودغرض، طامع، حاسد اور عیش پرست ہیں۔ ہر شخص کا جذبہ راحت پسندی اس کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ خوب دولت جمع کرے تاکہ آئندہ زندگی عیش و عشرت سے بسر کر سکے۔ جذبہ انانیت اس کو نام و نمود، عزت و شہرت، وجاہت ظاہری کے حصول کی کوشش کرنے پر مجبور کرتا ہے جس کا نتیجہ طاقتور کا کمزور پر ظلم کرنا اور عدل کا فقدان نکلتا ہے جو باعث فساد ہوتا ہے۔ پروردگار عالم نے اپنی کتاب پاک میں جابجا عدل کی تاکید فرمائی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

عدل

قل امر ربی بالقسط واقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین (پ ۸ ع۱۰ اعراف ع ۳)

ترجمہ : "کہہ دو میرے رب نے عدل کا حکم دیا ہے اور تم اپنے نفسوں کو قائم کر لو، ہر نماز کے وقت اور اس کو پکارو اسی کے لیے دین خالص کرتے ہوئے۔"

عدل کے معنی ہیں کسی شے کو اس کے مناسب مقام پر رکھنا پروردگار عالم نے عدل کا حکم دیا ہے اگر ہم ہر شے کو اور اپنی ہر ظاہری اور باطنی قوت کو اس کے صحیح مقصد کے لیے استعمال کریں تو عدل ہو گا ورنہ ظلم ہو گا۔

اس لیے جب تک انسان کے جذبات اور خواہشات عقل مندی سے مغلوب نہ ہو جائیں اعتدال کلی پر قائم رہنا ممکن نہیں اور نفس میں یہ کیفیت بغیر توجہ الی اللہ پیدا

نہیں ہو سکتی جیسا کہ اس آیت کے دوسرے جز سے واضح ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنے نفس کو قائم کرلو یعنی اپنی توجہ یکسو کرلو اور آیت کا تیسرا جز تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ "اس کو پکارو دین خالص کرتے ہوئے اسی کے لیے" یعنی توجہ بالقلب اور خلوص کامل کے ساتھ۔ جب کوئی بندہ مسلمان نماز پڑھتا ہے اور اس میں خالص توجہ اور خلوص پیدا ہو تو اس کا دل پر اثر ہوتا ہے اور دل کی سیاہی کم ہوتی نظر آتی ہے اور نیکی کی طرف رغبت ہونے لگتی ہے۔ نماز کا مقصد ہی صفائے باطن کا پیدا ہونا اور دل میں برائیوں سے بچنے کی طاقت کا پیدا ہونا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ○

ترجمہ : "تحقیق کہ نماز بے شرمی کے کاموں اور برے کاموں سے روکتی ہے۔"

نماز کی قبولیت یہی ہے کہ دل میں برے کاموں سے بچنے کی اور نیک عمل بجا لانے کی طاقت اور رغبت پیدا ہو اور اگر ایسا نہ ہوا تو نماز قبول نہیں ہوتی یہ تو ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم میں اتنی اہلیت نہیں کہ وہ نعمتیں جو نماز سے ملتی ہیں حاصل کر سکیں۔ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے اپنے ماننے والوں کو ہر وقت ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ میں مصروف رہنے کا حکم دیا ہے۔ کلام اللہ میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں۔ جیسے

واذکروا اللہ کثیرا" تعلکم تفلحون

ترجمہ : اللہ کی یاد بکثرت کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

عقل ہر اس شخص کے لیے جو کمالات باطنی کا خواستگار ہو یہی حکم دے گی کہ ہر وقت اللہ کی یاد میں مصروف رہو تمام مذاہب میں عوام الناس ان لوگوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو ہر وقت اس کی یاد میں غرق رہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان تارک الدنیا ہو کر صرف اور صرف اس کی یاد میں غرق رہے بے شک تارک الدنیا اشخاص میں کچھ نہ کچھ کمالات نفسانی ضرور پیدا ہو جاتے ہیں لیکن اسلام نے ترک دنیا کی ممانعت کی ہے۔

لا رھبانیتہ فی الاسلام

ترجمہ :

اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔

اب غور کریں کہ اگر دنیا کا ہر مرد و زن گوشہ نشینی اختیار کرے تو کیا دنیا ویران نہ ہو جائے گی اور بہت قلیل مدت ہی میں روئے زمین پر ایک انسان بھی نظر نہ آئے گا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ رہبانیت رضائے خالق کے منافی ہے نفس انسان جس وقت کسی ایک مرکز کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اپنے ماحول سے "کلیتا" غافل نہیں ہوتا اور یہی قانون فطرت ہے کہ نفس انسان کی جس قوت کو بھی ترقی دینے کی مشق کریں گے وہ برابر بڑھتی چلی جائے گی۔ جب خالق نے بندوں کو حکم دیا کہ میری یاد ہر وقت ہر دم ہر لحظہ کرتے رہو اور میری دنیا کو آباد رکھو پھر یہ دونوں کام کیسے ممکن تھے مگر وہ خالق فطرت اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ دونوں کام ایک ساتھ کس طرح لے جائیں اسی واسطے ایمان لانے والوں کے لیے پانچ وقت کی نماز لازم قرار دی تاکہ مومنین کے نفوس کو اس کی مشق کرائی جائے کہ توجہ الی اللہ ایسے ہوتی ہے جب ایسی مشق ہو جائے گی تو اس میں اتنی اہلیت پیدا ہو جائے گی کہ ایک وقت میں دو طرف توجہ کر سکے کہ خالق کی طرف بھی اور ساتھ ہی دنیا کے کاموں کی طرف بھی متوجہ رہ سکے پس جب یہ اہلیت پیدا ہو جائے گی تو دنیا کے کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود خدا کی یاد سے غافل نہ ہو گا اور اس کے دنیا کے تمام کام بھی اس کے احکام کے مطابق ہوں گے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں مومنین کاملین کی یہی صفت بیان فرمائی ہے۔

لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (سورہ نور ع ۵)

ترجمہ : ان کو معاملات تجارت میں کوئی خرید و فروخت خدا کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

جماعت کی تشکیل

افراد کی بقا کا انحصار جماعت اور قوم کی بقا پر ہے جماعت کی تشکیل کے لیے سب سے پہلی ضروری چیز وحدت فکر ہے کہ سب کا مقصد ایک ہو محبوب ایک ہو خواہ وہ ملت ہو یا قوم۔ نظریہ ہو یا معبود۔ اس کے بعد وحدت عمل کی ضرورت آتی ہے۔ ہر فرد کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور انفرادی جذبات کو جماعت کے لیے قربان

کرے اور جماعت میں فنا ہو جائے اس وقت فرد کی بقا ہو سکتی ہے اور جب کسی قوم کے افراد میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے گا اور وہ اپنے اغراض و مقاصد کو جماعت پر قربان کرنے کا عادی ہو جائے گا تو اس قوم کو عروج حاصل ہو گا۔ اقوام عالم کی تاریخ شاہد ہے کہ وہی قوم بر سراقتدار آتی ہے جس کے افراد سخت جان' موت سے کھیلنے والے' ایثار و قربانی کا جوش رکھنے والے ہوں لیکن جب اقتدار حاصل ہو جاتا ہے' مال و دولت' حکومت و سلطنت مل جاتی ہے تو زمین پر یا گرم بچھونوں پر آرام سے سونے والے نرم ریشمی گدوں پر سونے کے عادی ہو جاتے ہیں راحت و آرام میں پڑ کر عیش پرست اور آرام طلب ہو جاتے ہیں۔ اس وقت اس قوم کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اسلام کیسی جماعت کی تشکیل چاہتا ہے درج ذیل آیات سے واضح ہو جاتا ہے۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا" سجدا" یبتغون فضلا" من اللّٰہ ورضوانا" ○ (سورہ فتح آخر)

ترجمہ : محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کفار پر بڑے سخت ہیں۔ آپس میں رحم دل ہیں ان کو دیکھو گے رکوع کرتے اور سجدہ کرتے۔ وہ خواستگاری کرتے ہیں اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کی۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقامو الصلوۃ و اتوا الزکوۃ وامرو بالمعروف ونھوا عن المنکر وللّٰہ عاقبتہ الامور ○ (سورہ حج ع ٦)

ترجمہ : وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین پر قابو دے دیں تو نماز کو قائم کریں زکوۃ دیں اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے روکیں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام صالحین کی جماعت چاہتا ہے بندگان جذبات اگر زمین پر قابو پاتے ہیں تو ظلم کرتے ہیں اور فساد فی الارض کا باعث ہوتے

ہیں۔ جو خود ہی اچھے کام نہ کرے وہ دوسروں کو نیکی کا حکم کیسے دے سکتا ہے اور اگر وہ دوسروں کو بھلائی کا حکم بھی دے گا تو اس کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ خود عمل خیر نہ کرتے ہوئے دوسروں سے نیک کام کرنے کو کہنا یا خود برائی کرتے ہوئے دوسروں کو برائی سے منع کرنا بے عقلی ہے۔ اسی کو کلام پاک نے واضح کیا ہے۔

اتامرون الناس بالبر وتنسیون انفسکم
وانتم تتلون الکتب افلا تعقلون ○ (سورہ بقرہ ۵)

ترجمہ : کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلائے ہوئے ہو حالانکہ تم (خدا کی) کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل نہیں کرتے۔

جب یہ قانون فطرت ہے کہ جماعت میں تعقل نہیں ہوتا اور جماعت قائد کے حکم اور اس کے اشاروں پر چلتی ہے تو ضروری ہے کہ قائد میں تعقل اور غور و فکر کرنے کی اہلیت ہو بندہ جذبات نہ ہو اور ہر جماعت کا قائد افراد جماعت ہی میں سے بنایا جائے لہذا یہ ضروری ہے کہ جماعت میں ایسے افراد موجود ہوں جو انفرادی حالت میں عقل سے کام لینے والے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کی عقل یکساں نہیں ہوتی مگر عقل حقیقی یا عقل فطری ہر شخص کے ساتھ ایک قوت نورانی ہے جو ہمیشہ صحیح راستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے اس کو ضمیر کہتے ہیں نفس انسان اپنی خواہشات اور جذبات کی تسکین ہی میں مست رہتا ہے عقل و ضمیر سے مشورہ نہیں لیتا بلکہ ضمیر کی آواز بھی سننا گوارہ نہیں کرتا جس کی وجہ سے وہ نقصانات اٹھاتا ہے۔ اسلام تو ایسی جماعت چاہتا ہے جس کے افراد عقل سے کام لینے والے ہوں بندگان جذبات نہ ہوں۔ انفرادی حیات' اجتماعی حیات اور موت کے بعد کی حیات میں فلاح حاصل کرنے کا ذریعہ عقل کے حکم سے کام کرنا ہے جو اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہوا و ہوس پر غلبہ حاصل نہ ہو اسی لیے رب العزت نے ہوا و ہوس کی پیروی کو شرک قرار دیا ہے۔ ارشاد ہے :

افرایت من لتغذ الھہ ھولہ (سورہ جاشیہ)

ترجمہ : (اے رسول) کیا تم نے اس کو دیکھا جس نے اپنے جذبات کو اپنا الہ بنایا ہوا ہے۔

پس دنیا و آخرت میں حصول فلاح کا انحصار تعقل پر ہے جو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک خواہشات اور جذبات پر غلبہ حاصل نہ ہو اور یہ اصول فطرت ہے کہ انسان عملی مشق کئے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا لہذا باری تعالیٰ نے اس مشق کے لیے اوامر و نواہی بتائے ہیں جب مسلمان ان پر عمل ہی نہ کریں تو اس میں اسلام اور قرآن کا کیا قصور۔ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کبھی نہیں بدلتی۔ اس کے قوانین کبھی نہیں بدلے۔ البتہ نظام ظاہری کی صورت میں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے بدلتی رہی ہے۔ لیکن اصل قانون میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ہم نے اس فطری دین کو اپنی بے عملی سے بے سود بنا رکھا ہے۔ ہم نے اپنی ہوا و ہوس کو اپنا آقا اور معبود بنا رکھا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا میں امن و سکون نام کی کوئی شے نظر نہیں آتی۔ لوگوں میں دولت و ثروت' جاہ و حشمت کی چاہ اور اقتدار کی ہوس اتنی پھیل گئی ہے کہ جماعتیں اور قومیں اس کے حاصل کرنے میں ہر وقت سرگرداں نظر آتی ہیں اس کے نتیجہ میں تمام روئے زمین پر فساد پھیل گیا۔ ظلم کا بازار گرم ہو گیا اور عدل ناپید ہو گیا اور مسلمان ذلت و خواری کا شکار ہو گئے۔

اسلام کی تعریف

اسلام کا نظریہ معلوم کرنے کے لیے اسلام کی تعریف ضروری ہے اس کے لیے ہمیں ان راسخوں فی العلم کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے جنہوں نے اسلام کو سمجھا اسلام پر عامل رہے اور جن کو پروردگار عالم نے اپنے علم وہبی سے نوازا۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اسلام کی تعریف جن جامع اور مختصر الفاظ میں فرمائی ہے ایسی آج تک نہ کسی نے کی ہے اور نہ کوئی کرے گا۔ ارشاد ہے :

"میں اسلام کی ایسی صحیح تعریف بیان کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے کسی نے بیان نہیں کی۔ اسلام سر تسلیم خم کرنا ہے اور سر تسلیم جھکانا یقین ہے اور یقین تصدیق ہے اور تصدیق اعتراف ہے اور اعتراف فرض کی بجاآوری ہے اور فرض کی بجاآوری عمل ہے۔"

فرائض اسلام اور علم و عمل کے متعلق امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد

ہے:

"اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے والوں کے لیے بہترین وسیلہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانا ہے اور اس کی راہ میں جہاد کرنا ہے کہ وہ اسلام کی سربلند چوٹی ہے اور کلمہ توحید کہ وہ فطرت (کی آواز) ہے اور نماز کی پابندی کہ وہ عین دین ہے اور زکوٰۃ ادا کرنا کہ جو فرض و واجب ہے اور ماہ رمضان کے روزہ رکھنا کہ وہ عذاب کی سپر ہیں اور خانہ کعبہ کا حج و عمرہ بجا لانا کہ وہ فقر کو دور اور گناہوں کو دھو دیتے ہیں اور عزیزوں سے حسن سلوک کرنا کہ وہ مال کی فراوانی اور عمر کی درازی کا سبب ہے اور مخفی طور پر خیرات کرنا کہ وہ گناہوں کا کفارہ ہے اور کھلم کھلا خیرات کرنا کہ وہ بری موت سے بچاتا ہے اور لوگوں پر احسانات کرنا کہ وہ ذلت و رسوائی کے مواقع سے بچاتا ہے۔ اللہ کے ذکر میں بڑھے چلو اس لیے کہ وہ بہترین ذکر ہے اور اس چیز کے خواہشمند بنو کہ جس کا اللہ نے پرہیزگاروں سے وعدہ کیا ہے اس لیے کہ اس کا وعدہ سب وعدوں سے زیادہ سچا ہے نبی کی سیرت کی پیروی کرو کہ وہ بہترین سیرت ہے اور ان کی سنت پر چلو کہ وہ سب طریقوں سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہے۔ قرآن کا علم حاصل کرو کہ وہ بہترین کلام ہے اور اس میں غور و فکر کرو کہ یہ دلوں کی بہار ہے اور اس کے نور سے شفا حاصل کرو کہ سینوں (کے اندر چھپی ہوئی بیماریوں) کے لیے شفا ہے اور اس کو خوبی کے ساتھ تلاوت کرو کہ اس کے واقعات سب واقعات سے زیادہ فائدہ رساں ہیں۔ وہ عالم جو علم کے مطابق عمل نہیں کرتا اس سرگردان جاہل کی مانند ہے جو جہالت کی سرمستیوں سے ہوش میں نہیں آتا بلکہ اس پر (اللہ کی) حجت زیادہ ہے اور حسرت و افسوس اس کے لیے لازم اور ضروری ہے اور اللہ کے نزدیک وہ زیادہ قابل ملامت ہے۔"

اسلام اور معاشیات

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے جن الفاظ میں اسلام کی تعریف اس کے فرائض اور علم و عمل کے متعلق ارشاد فرمایا ہے ان پر اگر عقل انسانی غور و فکر کرے اور عمل پیرا ہو تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے لیکن غیر مسلموں کی مادی ترقی سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں ہی سے ایک مذہب دشمن طبقہ اسلام کو ایک فرسودہ شے سمجھنے لگا اور غیر مسلموں نے اسلام کی حقیقت پر اتنے پردے ڈالے اور انسانوں کو مادیت کے اس قدر سبز باغ دکھائے کہ مسلمانوں میں حقیقی اسلامی تعلیمات حاصل کرنے کے جذبات سرد پڑ گئے۔ خودغرض عناصر نے اسلام کی ایسی متغیر شکلیں پیش کیں جنہیں سائنسی علوم اور مادی ترقیوں سے مرعوب و متاثر اذہان قبول نہیں کرتے اس کی بڑی وجہ حقیقی اسلامی تعلیمات کی صحیح نشر و اشاعت کا نہ ہونا اور اسلام دشمن عناصر کی ریشہ دوانیاں ہیں۔ اگر ہم قرآن کریم' ارشادات رسولؐ اور علم راسخون فی العلم سے استفادہ کرتے تو اہل اسلام کو موجودہ حالت سے دوچار نہ ہونا پڑتا اور تمام عالم یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا کہ دین مصطفےٰ ہی صحیح دین حیات ہے۔ اس کی شرح ہی آئین حیات ہے۔ آج سارا عالم معاشیات کی الجھنوں کا شکار ہے۔ آج انسانیت امن کی متلاشی ہے۔ آج غیر مسلم طاقتیں ساری دنیا پر اپنی دولت کے سہارے اپنا اقتدار جمائے بیٹھی ہیں اور جس طرح چاہتی ہیں مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھانس لیتی ہیں۔ اسلام کے مقابلہ میں ایسے ایسے نظام اقتصادیات پیش کئے جاتے ہیں کہ جو بظاہر خوش آئند معلوم ہوتے ہیں لیکن بباطن وہ بنی نوع انسان کی مشکلات کا حل نہیں بلکہ اپنے اقتدار کا استحکام مقصود ہوتا ہے۔

اس وقت دنیا میں تین بڑے نظام معاشیات رائج ہیں۔ ایک سرمایہ دارانہ' دوسرے اشتراکیت تیسرے سوشلزم۔ ان تینوں نظاموں کو جاننے کے لیے ہم بالاختصار ہر نظام پر روشنی ڈالتے ہیں تاکہ ہمیں ان نظاموں اور اسلامی نظام معاشیات میں فرق معلوم ہو سکے اور ہم یہ دیکھ سکیں کہ دنیا کے اقتصادی مسائل کا حل صرف اور صرف اسلام کے ہی دامن میں ہے۔

سوشلزم

دور حاضر میں لوگوں کا زیادہ رجحان اس نظام کی جانب ہے کیونکہ یہ نظام دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی لعنتوں کے خلاف ہے بے روزگاری کو دور کرتا ہے۔ سوشلسٹ حکومت سماج کے وسائل کو سماجی تحفظ و بہبود کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر خرچ کرتی ہے۔ صارفین کی ناواجبی خواہشات اعلیٰ اقدار کی بنیاد پر کی جاتی ہیں۔ ہر قسم کی تعلیم و تربیت اور حفظان صحت کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اور سماج کے مادی وسائل کا بہتر استعمال کرکے ان سے بہترین استفادہ کیا جاتا ہے اس نظام کی خصوصیات مجملاً" بیان کی جاتی ہیں :

۱۔ تمام ذرائع پیداوار' اراضی' کارخانہ وغیرہ حکومت کی ملکیت ہوتے ہیں۔
۲۔ اشیائے صرف کی حد تک نجی ملکیت کی اجازت ہے۔
۳۔ چونکہ تمام افراد حکومت کے ملازم ہوتے ہیں لہٰذا تحفظ کا زیادہ احساس رہتا ہے۔
۴۔ چونکہ تمام منافع حکومت کے خزانہ میں داخل ہوتا ہے۔ لہٰذا سماجی تحفظ اور فراخدلی سے دولت خرچ کی جا سکتی ہے۔
۵۔ تقسیم دولت کسی حد تک مناسب ہوتی ہے۔
۶۔ عوام کے بڑھتے ہوئے معیار زندگی سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے۔
۷۔ وسائل کی تقسیم ایک مرکزی ادارہ کرتا ہے لہٰذا صارفین کی پسند اور ناپسند سے یہ باتیں طے نہیں ہوتیں۔
۸۔ عوام کو لگان' کرایہ' سود وغیرہ سے کمائی حاصل نہیں ہوتی۔
۹۔ اگرچہ سوشلزم میں دولت کی تقسیم مساوی نہیں ہوتی لیکن کم از کم ہر ایک کے لیے مساوی مواقع ضرور موجود رہتے ہیں۔

سوشلزم کے عام طور پر یہ نقائص بیان کئے جاتے ہیں :

۱۔ سرمایہ داری سے نفرت اور انتقام کے سوا کوئی تعمیری لائحہ عمل نہیں ہے۔
۲۔ پورا سماج ایک بہت بڑا زندان ہے جس میں ہر قیدی کو روٹی' کپڑا' مکان مل

جاتا ہے اور ذہنی فکر اور جسمانی آزادیوں سے محروم رکھا جاتا ہے۔

۳۔ انسان سے ہر طرح کی ملکیت کا حق چھین کر اس سے کام لیا جاتا ہے۔

۴۔ "صرف" کو "پیداوار" سے مطابق کیا جاتا ہے اور صارفین کو اس بات کی آزادی نہیں کہ وہ جو چیز چاہیں جس مقدار میں چاہیں خریدیں بلکہ حکومت کی خاص منصوبہ بندی کے تحت حاصل کی جاتی ہیں۔

۵۔ ہر فرد کو حکومت مکمل طور پر غلام بنا لیتی ہے ہر قسم کی آزادی سے محروم کر دیا جاتا ہے حکومت کی پالیسی پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔

سرمایہ دارانہ نظام

ماہرین اقتصادیات اور مخالفین سرمایہ دارانہ نظام اس امر پر متفق ہیں کہ ابتدا میں اس نظام نے بہت ترقی کی اور انسانیت کی بہت خدمت کی۔ پیداوار میں اضافہ ہوا۔ ابلاغ آمد و رفت میں ترقی ہوئی اور قومی وسائل بڑے پیمانہ پر دریافت ہوئے جبکہ مزدور اور کسان صرف زراعت پر انحصار کرتے تھے۔ ان کے رہن سہن میں ترقی ہوئی لیکن یہ خوش آئند تصویر کچھ عرصہ بعد آہستہ آہستہ دھندلی ہونے لگی کیونکہ جوں جوں یہ نظام ترقی پاتا رہا ارتکاز زر سرمایہ داروں کے پاس ہوتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومیں دو طبقوں میں تقسیم ہونے لگیں ایک سرمایہ دار دوسرا انتہائی مفلس' غریبوں کی جائیدادیں امیروں کے پاس آ گئیں۔ امیر غریب کو غلام بنا کر کام لیتا اور اس کی محنت کی پیداوار سے اپنے سرمایہ میں اضافہ کرتا رہتا اور مزدور کو صرف اتنی مزدوری دیتا جس سے اس کے جسم و روح کا رشتہ باقی رہے' مزدور زندگی کی آسائشوں سے محروم' سرمایہ دار ہر آسائش کا حامل بن گیا۔ سرمایہ دار نے اپنی دولت سے ہر چیز کی اتنی پیداوار بڑھا دی کہ ایک سرمایہ دار ملک اپنی پیداوار کے لیے منڈیاں تلاش کرنے پر مجبور ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں چھوٹے ممالک سرمایہ دار ملکوں پر انحصار کرنے لگے اور وہ ان کی کالونیاں بن گئے نہ صرف یہ بلکہ مال کی کھپت کے باعث ترقی پذیر ملکوں کو اپنی منڈیاں بنانے کے لیے سرمایہ دار ملکوں میں رسہ کشی شروع ہو گئی حتیٰ کہ دنیا کی چودھراہٹ کا جذبہ سرمایہ دار ملکوں میں اس حد تک بڑھا کہ اس کے لیے عالمی جنگیں لڑی جانے

لگیں۔ انسانیت کی فلاح و بہبود کے بجائے ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لیے اسلحہ سازی کی دوڑ شروع ہو گئی اور ایجادات میں انسانیت کی ترقی کے لیے کم اس کی بربادی کے لیے زیادہ اضافہ ہوا۔

ماہرین اقتصادیات کا خیال ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی سے ملکوں کا انحصار قرضوں پر ہو گیا جس کے نتیجہ میں بنک معرض وجود میں آئے اور یہ بنک بھی سرمایہ دار کے ہاتھوں میں رہے۔ حتیٰ کہ سرمایہ دار نے ہر ملک کو اپنے سرمایہ کے جال میں اتنا پھانس لیا ہے جیسے کہ مکڑی اپنے شکار کو اپنے جالے میں پھانس لیتی ہے۔ ترقی پذیر ممالک سرمایہ دار ملک کے دست نگر بن گئے اور اس طرح قید ہو گئے کہ اگر وہ نکلنا بھی چاہیں تو نکل نہیں سکتے۔

سرمایہ دارانہ نظام میں ملکی تجارت، ملکی پیداوار، ملکی معیشت، ملکی حکومت اور ملکی سیاست صرف اور صرف سرمایہ دار کے قبضہ میں رہتی ہے اور انسانیت تڑپ تڑپ کر اور سسک سسک کر زندگی گزارتی ہے۔

اشتراکیت

جب مزدور نے سرمایہ کا ارتکاز صرف چند ہاتھوں میں دیکھا۔ جب اپنے خون پسینہ کی پیداوار کا پھل سرمایہ دار کی جھولی میں پایا تو وہ مزدور اشتراکیت کے نام پر انقلاب لایا اور سرمایہ دارانہ نظام حکومت کا قلع قمع کرکے اپنے ملک میں اشتراکی نظام حکومت قائم کی۔ ابتداء میں یہ نظام مقبول ہوا اس کی خصوصیات اور نقائص سوشلزم کی خصوصیات اور نقائص تقریباً ایک ہیں۔ اب اشتراکیت اور سوشلزم میں ایک وہ طبقہ پیدا ہو گیا ہے جو نعرہ عوام کے لیے لگاتا ہے لیکن عوام محکوم اور خود حاکم بن گیا ہے۔ رفتہ رفتہ اشتراکی اور سوشلسٹ نظام میں بھی حکومت اور دولت صرف ایک طبقہ میں محدود ہوتی جا رہی ہے۔ جس کے سامنے عوام محکوم اور مجبور نظر آتے ہیں۔

اسلام کا معاشی نظام

دنیا میں جتنے مذاہب رائج ہیں ان میں سوائے اسلام کے ہمیں کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جس نے انسانوں کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات دیا ہو۔ دوسرے مذاہب میں اب ایسی ذات کا تصور ضرور ہے جو مافوق البشر ہے جہاں عقل انسانی پہنچنے پر مجبور ہے اس لیے ان مذاہب کے پیرو صرف اس کی عبادت کرتے ہیں اور وہی چند اصول کو ابتدائے مذہب میں چلے آ رہے ہیں ان کی کتابوں میں درج ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام پر عمل کرنے والے اپنے مذہب کے پیرو ضرور ہیں صرف عبادت کی حد تک لیکن اللہ کی حاکمیت کا تصور ان کے پاس نہیں ہوتا۔ اشتراکی اور سوشلسٹ نظاموں نے مذہب اور اللہ کے نظریہ کو ایک فرسودہ اور بیہودہ تصور کہہ کر اس سے چھٹکارا حاصل کیا۔

ہم نے مختصراً" تینوں نظاموں کا جائزہ لیا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں ان نظاموں سے معاشی مسائل کم ہوئے یا زیادہ بالفاظ دیگر کیا ان نظاموں پر عمل کرنے سے دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہر شخص آرام و چین کی زندگی بسر کر رہا ہے یا نہیں؟ کیا اسے ضروریات زندگی فراہم ہو رہی ہیں یا وہ ان سے محروم ہے۔ کیا انسانوں کے بنائے ہوئے نظام نے ہر فرد و بشر کو امن و چین کی زندگی بخشی یا نہیں؟ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کا دیا ہوا نظام کچھ عرصہ تک بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن جیسے جیسے وہ پھیلتا ہے انسان کی فطری انا اور حکومت کرنے کا خیال' غالب اور مغلوب کا تصور' حاکم اور محکوم کے جذبات اور حاکیت کا غرور اس میں سما جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نظام تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اگر انسان کا دل اس حاکم اعلیٰ کے تصور سے معمور ہو اور یہ غور کرے کہ اس حاکم اعلیٰ کے سامنے جس نے اسے خلق کیا ہے جواب دہ ہو گا اور اس کا بنایا ہوا قانون ایسا قانون ہے جو تبدیل نہیں ہو سکتا اور یہی وہ قانون ہے جس پر عمل کرنے سے انسانیت چین سے رہ سکتی ہے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ آیئے ہم ذرا معاشیات کے اس نظریہ پر غور کرتے ہیں جو اسلام نے دیا ہے۔ اسلام کے قانون کی ابتدا اقتصادیات اور معاشیات سے ہی ہوتی ہے کہ اقتدار اعلیٰ کا مالک وہ ہے جو تمام جہانوں کی پرورش کا ذمہ دار ہے اور سب تعریف کے لائق ہے۔ اسلام ہی وہ دین ہے

جو مادی زندگی میں شیریں ترین مسرتوں اور بعد از موت ابدی راحتوں کا راستہ ہے۔
علم معاشیات کا تعلق بشری حاجات سے ہوتا ہے یہ بحث ضروریات کے حسنات سے کی جاتی ہے لہذا اگر ہم اقتصادی حسنات کو سمجھنا چاہیں تو لازماً ان کے اخلاقی حسنات پر نظر رکھنا ہو گی۔ عام معاشیات اور اسلامی معاشیات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ عام علم معاشیات محض اقتصادی حسنات پر بحث کرتا ہے لیکن اسلامی معاشیات میں اس کا رابطہ اخلاقی حسنات سے قائم ہوتا ہے لہذا اسلام ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل دیتا ہے جو اقتصادی اخلاقیات سے مالا مال ہو۔

انسان کی ولادت سے وفات تک کوئی نہ کوئی حاجت دامن گیر رہتی ہے ان میں سب سے زیادہ اہم خوراک' لباس اور رہائش کے حوائج ہیں ان حاجات کے وسائل خود پروردگار عالم نے اس کائنات میں مہیا کیے ہیں اسلام نے انسان کو ان سے مستفید ہونے کا مساوی حق بخشا ہے ہر فرد کو اس کا حصہ اس کی ضرورت کے مطابق ملے اور معاشرہ میں بداعمالی کی گنجائش باقی نہ رہے۔ دراصل اسلام معاشیات کی موجودہ تعریف سے ہی اختلاف رکھتا ہے کہ اغراض لامحدود ہیں اور وسائل قلیل ہیں حالانکہ نظام ربوبیت کا اصول یہ ہے کہ وسائل قبل از اغراض موجود ہوتے ہیں جیسے ایک بچہ کے رزق کا وسیلہ قبل از پیدائش ماں کی چھاتیوں میں موجود ہوتا ہے اسی طرح ہر خطہ اراضی پر جملہ ذی حیات کی تخلیق پروردگار عالم نے اس وقت تک نہیں فرمائی جب تک اس کی ضروریات زندگی کا مکمل انتظام نہ کر لیا اس سے معلوم ہوا کہ اسلامی معاشیات کا اصول یہ ہے کہ وسائل کو اغراض سے پہلے مہیا کرتا ہے۔ اسلامی معاشیات کا دوسرا اصول یہ ہے کہ حاصل کرو اور تقسیم کردو یا کماؤ اور بانٹو۔ چنانچہ زکوۃ و خمس ہر صاحب نصاب پر واجب ہے۔ وراثت کو تقسیم کرنے کا حکم موجود ہے ان چیزوں سے سرمایہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے اور دولت محدود ہاتھوں میں جمع نہیں ہوتی اس لیے بے روزگاری کا مسئلہ پیچیدہ نہیں ہوتا۔ اسلام جہاں عبادت یا نماز سے سربلندی چاہتا ہے وہاں انسان کو معاشی طور پر بھی اتنا ہی اونچا دیکھنا چاہتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کا خود کفیل ہو اور وہ تقدس کی آڑ لے کر تساہلی کا شکار بن کر معاشرہ پر بوجھ نہ بنے۔ وہ کسب معاش کرے اور اپنے اہل و عیال کے نان و نفقہ کا بندوبست کرے۔

اسلام کہتا ہے کہ خدا نے کسی شے کو عبث پیدا نہیں کیا ارشاد ہے "جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ سورہ نجم میں ارشاد ہے کہ "انسان کے فائدہ کے لیے بس وہی کچھ ہے جو وہ اپنی کوشش سے حاصل کرے۔"

اسلام نے جسمانی جدوجہد کے ساتھ ساتھ دینی جدوجہد کو بھی ضروری قرار دیا ہے چنانچہ عبادت کے ساتھ ساتھ اشیاء کے فوائد کو معلوم کرنے کے لیے بھی ترغیب دی ہے۔

اسلام مذہب و اقتصادیات کو حیرت انگیز طریق پر مربوط کرتا ہے۔ دولت جسے ترک دنیا پر عقیدہ رکھنے والے تقدس کا دشمن اور روحانیت کی راہ میں رکاوٹ جانتے ہیں اسے قرآن مجید میں "فضل" "خیر" "حسنہ" اور "رحمت" کے الفاظ سے پکارا گیا ہے۔ اسلام دنیا سے استفادہ کرنے کی عام دعوت دیتا ہے۔ جیسے

ربنا آتنا فی الدنیا حسنته و فی الاخرة
حسنته و قنا عذاب النار (البقر آیت : ۲۰۰)

ترجمہ : اے ہمارے پالنے والے ہمیں دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں ثواب دے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اسلام کسب معاش کی بھی تعلیم دیتا ہے ارشاد رسول ﷺ ہے کہ "اللہ کے ذکر و عبادت کے بعد کسب معاش کا درجہ ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

"تمہیں نماز صبح کے بعد اس وقت تک نہیں سونا چاہئے
اور نہ آرام کرنا چاہئے جب تک دیانتداری سے تم اپنی
روزی نہ کما لو۔"

ہم نے غور کیا کہ اسلام میں دین و دنیا دونوں میں مکمل ربط ہے اور ان دونوں پہلوؤں میں اسلامی معاشیات کی تعلیم ہے۔ اسلام معاشی جدوجہد کو کس قدر لازمی اور ضروری بتاتا ہے اسلامی معاشرہ میں فرد کی طلب کے متعلق حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے :

"مرد مسلم رب العالمین سے کیا طلب رکھتا ہے یہ کہ یا

تو اللہ کی طرف سے اسے بلاوا آئے چونکہ اللہ کے پاس
نعمتیں ہیں وہ اس کے لیے بہترین اور دنیا میں رہنے کی
صورت میں وہ اللہ سے طلب کرتا ہے کہ اللہ کی طرف
سے اسے اس طرح روزی ملے کہ وہ مالدار بھی ہو اور
صاحب اولاد بھی ہو پھر اس کا دین اور عزت نفس دونوں
برقرار ہیں۔"

ہم نے دیکھا کہ اسلام ہی وہ دین ہے اور یہی وہ ضابطہ ہے جو مادی اور روحانی دونوں حالتوں میں رہنمائی کرتا ہے یہی وہ دین ہے جو دور حاضرہ کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے جس کی بنیاد اعتدال پر ہے افراط و تفریط نہیں۔ آجکل یہ روش عام ہے کہ جب کوئی نیا نظام بنتا ہے تو دنیائے اسلام بغیر سوچے سمجھے اس کو اسلام کی نقل قرار دے دیتی ہے اور خودفریبی کا شکار ہو جاتی ہے حالانکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ غیراسلامی نظام فی الحقیقت اسلامی نظام سے بہت ہی پست اور متضاد نظر آتا ہے۔ اسلام کا مقصد انسانیت کے لیے شایان شان زندگی کا حصول اگر ایک طرف ہے تو دوسری طرف دنیا پرستی کو چھوڑ کر اللہ کی حاکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی عبدیت کرنا ہے۔ اسلام کا نظریہ ہے کہ تمام عالم اور جو کچھ اس میں موجود ہے اس کا انسانی حیات سے ربط و رشتہ ہے موجودہ زمانہ کا سب سے بڑا معاشی مسئلہ دولت کی غلط تقسیم ہے اور اس وقت ساری دنیا افراط زر کا شکار ہے دنیا کا ہر نظام اس پیچیدہ سوال کو حل کرنے میں ناکام نظر آتا ہے لیکن اسلام صرف ایک جملہ میں اس گتھی کو کس طرح سلجھاتا ہے۔

"جو کچھ ہے خدا کا ہے کیونکہ اقتدار اعلیٰ اس کا ہے۔"

حدیث قدسی میں اللہ فرماتا ہے :

"تمام مال میرا ہے مال و دولت رکھنے والے میرے امانت
دار ہیں اور فقراء و مساکین میرے واجب النفقہ عیال
ہیں پس میرے امینوں کو چاہئے کہ میری دولت سے
میرے عیال کی امداد کریں۔"

غیر اسلامی اقتصادیات میں ذرائع آمدنی چار ہیں : زمین، سرمایہ، مزدوری اور

تنظیم۔ اقتصادیات کی اصطلاح میں ان کو عاملین پیدائش کہا جاتا ہے اور ان سب کا ایک دوسرے سے قومی اتصال ہے۔ انہی عوامل کی کشمکش نے مزدور اور سرمایہ دار کا سوال پیدا کرکے دنیا کو ایک مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ اسلامی اقتصادیات میں ذرائع پیداوار تین ہیں۔ اللہ' سوسائٹی یا معاشرہ اور فرد کاسب۔ اللہ چونکہ آمدنی کے زیادہ سے زیادہ ذرائع مہیا کرتا ہے لہذا اس کا حق سب دوسرے ذرائع پیدائش سے فائق ہے کلام مجید میں ارشاد ہے :

"اے بنی نوع انسان تم ہی بتاؤ کہ درحقیقت تم زراعت
کرتے ہو یا ہم زراعت کرتے ہیں۔"

چونکہ آمدنی کا حقیقی ذریعہ اور سب سے بڑا وسیلہ ذات رب العالمین ہے اس لیے تمام مال اسی کا ہے اور اس کی صحیح عادلانہ تقسیم کے لیے دولتمند اس کے امین ہیں۔

آمدنی کا دوسرا ذریعہ معاشرہ ہے جو اس معاشی نظام میں منڈی اور طلب مہیا کرتا ہے اگر معاشرہ پیداوار کو نہ لے تو پیداوار بیکار ہے اور پیدا کرنے والے کے کسی کام نہیں آ سکتی۔

آمدنی کا تیسرا ذریعہ فرد کاسب ہے جو پیداوار میں وقت' طاقت اور مہارت سے کام لیتا ہے۔

پس اسلامی معاشیات کے اصول کے مطابق دولت کو تین حصوں میں تقسیم ہونا چاہیئے یعنی اللہ' معاشرہ اور فرد کاسب۔ چنانچہ اسلام میں اللہ کے حصہ کو "خمس" معاشرہ کے حصہ کو "زکوۃ" اور فرد کاسب کے حصہ کو "نفقہ" کہتے ہیں۔

مادی علم معاشیات کے موجدوں کے مطابق اس کا مقصد دولت کی غلط تقسیم کا انسداد تھا لیکن جیسے جیسے معاشیات میں ترقی ہوتی جا رہی ہے ویسے ویسے یہ بحران بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن اسلام نے دولت کی مساویانہ تقسیم کرکے اس بحران کا علاج کر دیا جس سے تقسیم دولت میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام کا فرمان درج ذیل کیا جاتا ہے :

"اے آدم کے بیٹے جو تم نے اپنی ضروریات زندگی سے
زیادہ کمایا ہے اس میں تم اپنے غیر کے مفاد کے لیے
خزانچی ہو۔"

اس ایک فقرہ میں حضرت نے کل علم معاشیات کو کوزہ میں سمندر کی طرح سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔ جب اسلامی معاشرہ کا صارف دولت خرچ کرے گا تو حدود عدل میں رہے گا۔ قول جناب امیرالمومنینؑ کی تائید فرمان الٰہی سے اس طرح ہے :

ویسئلونک ماذا ینفقون ط قل العفو ط کذالک
یبین اللہ لکم الا نیت لعلکم تتفکرون ○
(سورہ البقرہ آیت ۲۱۹)

ترجمہ : اے رسول یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ ہم کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو ضرورت سے زائد ہے خدا اپنے احکام تم سے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔"

اسلامی معاشی نظام کے تحت کسی فرد کے پاس اپنی ضروریات سے زیادہ تمام فاضل دولت معاشرہ کے ان لوگوں کا حق ہے جو اس سے محروم ہیں اگر معاشرہ اس نظام پر عامل ہو جائے تو کوئی فرد بھوکا نہ رہے اسلامی نقطہ نظر سے ہر شے کا مالک اللہ ہے اس لیے بنیادی طور پر اللہ کے مال پر اس کی ساری مخلوق کا حق ہے۔ اسلام سرمایہ کی اجارہ داری کا حامی نہیں اور نہ ہی وہ فرد کو اس قدر بے سرمایہ کر دینا چاہتا ہے کہ اس کی ذاتی ضروریات جتنا حق ملکیت بھی چھین لے بلکہ افراط و تفریط سے ہٹ کر عادلانہ نظام معیشت قائم کرتا ہے۔ اسلام سرمایہ دارانہ رجحان کی تعلیم نہیں دیتا اسلام اشتراکیت کی طرح انسان کی جائز ملکیت کو بھی سلب نہیں کرتا جس سے سعی و طلب کا ولولہ سرد پڑ جاتا ہے۔ اسلام ہر شخص کیلئے یکساں مواقع فراہم کرتا ہے تاکہ ہر فرد اپنی محنت کے مطابق ثمرہ اور نتیجہ حاصل کر سکے۔ اسلام انفرادی حقوق ملکیت کے ساتھ ساتھ متمول طبقہ پر بھی ایسے مالی فرائض مذہباً" عائد کرتا ہے جنکی پابندی کے بعد نہ تو معاشرہ غیر متوازن ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی شخص اپنی ضروریات زندگی سے محروم رہتاہے اسلام اگرچہ شخصی ملکیت کے حق کو تسلیم کرتاہے مگر وسائل معیشت پر ایسے قیود عاید کرتا ہے کہ سرمایہ داری کا انسداد بھی ہو جائے اور اس سے پیدا شدہ مفاسد کا تدارک بھی ہو جائے چنانچہ جائز اور ناجائز حلال اور حرام کی تفریق کرکے دولت کو ذاتی ضروریات کی حدود سے آگے نہیں جانے دیتا۔ اسلام اکتساب و ارتکاز زر کی ممانعت کرتا ہے اسلام مصارف کو بھی اعتدال پر رکھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ توازن پیدا ہو ارشاد ربانی ہے۔

"وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ درمیانی راہ اعتدال پر چلتے ہیں"

"خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا"

"غریبوں کا حق دو نیز مسکین و مسافر کے حقوق ادا کرو اور دولت کو بے موقع ضائع نہ کرو"

اسلامی معیشت سرمایہ کو گردش میں رکھتی ہے۔ اسلام ارتکاز زر کا مخالف ہے ارشاد ہے۔

"وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انکو دردناک عذاب کی بشارت دے دو"

اسلامی معاشیات محنت کش طبقہ کے مفاد کی مکمل ضمانت دیتا ہے۔

"اسکی محنت کا اتنا معاوضہ ادا کردیا جائے کہ وہ اپنی ضروریات زندگی میں خود کفیل ہو سکے اور معاوضہ کی ادائیگی میں سستی نہ کی جائے بلکہ مزدور کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اجرت دے دی جائے"

حکومت الہیہ کے اقتصادی نظام میں نہ سرمایہ داری کو حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ سرمایہ سمٹ کر ایک جگہ منجمد ہو جائے نہ محنت کش کی حق تلفی ہوتی ہے بلکہ سماجی اور اخلاقی ذمہ داریوں کو پوری اہمیت دی گئی ہے یہی وہ نظام ہے جو دنیوی بہبود کے ساتھ آخرت کی فلاح کا بھی ضامن ہے اسلامی تعلیم معیشت پیغام حیات دیتی ہے۔

اسلام میں نظریہ حکومت

یہ امر مسلمہ ہے کہ انسانی معاشرت پر حکومت اور اکثریت بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں اگر حکومت عادل و علیم ہوگی تو عوام ہر ناگہانی اور ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کر سکیں گے۔ معاشرت اور اخلاق و تہذیب اور امن و سکون ہر نہج پر متوازن ہونگے اسلئے ضروری ہے کہ ہم حکومت اور رعایا پر کچھ گفتگو کریں۔ ان دونوں طبقوں کے امور پر بحث ہی علم سیاسیات کہلاتی ہے۔ دور حاضرہ میں سیاست کو سوشل سائنس کہا جاتا ہے اور سیاست کا تعلق زیادہ تر امور ریاست سے ہوتا ہے۔ اور علم شہریت عموماً معاشرتی پہلوؤں پر بحث کرتی ہے لیکن آجکل یہ دونوں علوم اس طرح مل چکے ہیں کہ سیاست اور شہریت کو الگ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

چونکہ علم سیاسیات کا مرکز بحث ریاست ہے لہذا ریاست کی تعریف سمجھنا ضروری ہے۔ ریاست کسی علاقہ میں رہائش پذیر افراد کی ایسی جماعت کو کہتے ہیں جو اپنے کسی اقتدار کے تحت ایک منظم حکومت رکھتی ہو۔ موجودہ زمانہ کی سیاست کے مطابق ریاست کے چار عناصر ہیں۔ عوام' علاقہ' حکومت' اور اقتدار اعلیٰ ان چار عناصر میں سے ہم اپنے مقصد کے لئے موخر الذکر دونوں عناصر پر اجمالی طور پر روشنی ڈالتے ہیں۔

علم سیاست میں حکومت کی کئی اقسام ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ بادشاہت یا ملوکیت' آمریت' جمہوریت اور معاشریت۔ لیکن موجودہ زمانہ میں حکومت کو صرف دو درجوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ آمریت اور جمہوریت۔ اول الذکر صرف ایک آدمی کی حکومت کو کہتے ہیں جو مطلق العنان ہوتا ہے اور اپنی جماعت کے بل بوتے پر عوام پر حکومت کرتا ہے۔ اس طرز کی حکومت میں کل اختیارات آمر کے پاس ہوتے ہیں اور اسکی زبان ریاست کا قانون ہوتی ہے اس طرز کی حکومت میں حزب اختلاف کا وجود برداشت نہیں کیا جاتا عوام کو حکومت کے خلاف زبان کھولنے کا حق نہیں ہوتا اس طرز کی حکومت میں عدلیہ کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوتی۔

جمہوری طرز حکومت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے۔

عوام کی حکومت عوام کے ذریعے حکومت اور عوام کیلئے حکومت یہ طرز حکومت بھی کئی اقسام پر مبنی ہے مثلاً آئینی بادشاہت جسمیں بادشاہی موروثی طریق پر ہوتی ہے

اور نظام حکومت جمہوری ہوتاہے جمہوری نظام کی بھی دو شکلیں ہوتی ہیں ایک متحدہ
اور دوسرے وفاقی متحدہ نظام جمہوری میں اقتدار مکمل طور پر مرکز کے پاس ہوتاہے اور
وفاق میں مرکز اور صوبوں میں اقتدار کی تقسیم ہوتی ہے جمہوری نظام میں جمہوریت یا تو
براہ راست جمہوریت ہوتی ہے جس میں تمام اہل وطن حکومت کے معاملات میں
شریک ہوں یا بالواسطہ جمہوریت جسمیں عوام اپنے آزاد خیالات کا اظہار اپنے منتخب
نمائندوں کے ذریعے سے کرتے ہیں ایسی جمہوریت کو نمائندہ جمہوریت بھی کہا جاتا ہے
جو آج کے زمانہ میں سب سے اچھی سمجھی جاتی ہے۔ اکثر اہل اسلام بھی اس جمہوری
نظام کے قائل ہیں۔ اور ان کا نظریہ بھی یہی ہے کہ اسلام نے بھی اسی نظام حکومت
کی تعلیم دی ہے اور اپنے اس دعوی کے ثبوت میں یہاں تک فرماتے ہیں کہ خود
آنحضرتؐ نے یہی نظام حکومت اپنایا۔ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے بھی اسی
نظام حکومت کو تقویت پہنچائی ایسے حضرات اس حقیقت پر قطعی غور نہیں فرماتے کہ
ایک طرف تو دین اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات مانتے ہیں اور دوسری جانب اس
مکمل ضابطہ حیات میں ناقص نظام سلطنت کی پیوندکاری کرتے ہیں اگر دین اسلام
منجانب اللہ ہے اور اسکی کل شریعت یا قانون الہامی اور وحی پر مبنی ہے تو پھر اس کا تعلیم
کردہ نظام حکومت ہر قسم کی خرابیوں سے مبرا اور پاک ہونا چاہئے اور اسمیں تمام سیاسی
مسائل کا حل موجود ہونا چاہئیے اور اسے عملاً" شریعت نافذ کرنے والے کو نافذ کرکے
ثابت کرنا چاہئے کہ یہ وہ نظام سلطنت ہے جو ہر حال میں ہر جگہ اور ہروقت قابل عمل
ہے۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ موجودہ جمہوری نظام اللہ نے دیا ہے اور اس پر رسول اللہؐ
نے عمل کرکے نافذ العمل قرار دیا ہے تو اسلام مکمل ہو جانے کے بعد اسلام کے تمام
قوانین تا قیامت ناقابل تغیر و تبدل اور ناقابل ترمیم و تنسیخ ہیں اور بندوں کو یہ حق
حاصل نہیں کہ وہ خدا کے بنائے ہوئے قانون میں تغیر و تبدل یا ترمیم و تنسیخ یا اضافہ
کرسکیں ۔ کیونکہ ایسا کرنا خدا سے مقابلہ ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے۔ نظام خدا
میں کوئی خرابی ممکن نہیں۔ لیکن بندوں کے نظام خرابیوں سے پر ہوتے ہیں اسلئے ایسا
نظام خدا کا نظام نہیں ہو سکتا تو پھر اسکو رسول اللہؐ کیونکر اپنا سکتے تھے۔

اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ یہ ایک
دوسرے کے متضاد ہیں حالانکہ جمہوریت کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے کہ عوام کی

حکومت ۔ عوام کے ذریعے۔ عوام پر حکومت لیکن یہی جمہوری حکومت بعض اوقات خود غرض افراد کے ہاتھوں میں آکر اسی ایک کی حکومت۔ اسی جماعت کیلئے۔ اور اسی جماعت کے ذریعہ کی تعریف میں آجاتی ہے۔ بر خلاف اسکے اسلامی خلافت یا اسلامی نظام حکومت کی تعریف تو ان الفاظ میں کی جاتی ہے کہ :۔

"اللہ کی حکومت۔ اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ۔ اللہ ہی کے لیے کسی نظام یا نظریہ کو پرکھنے کے لئے دو چیزوں پر غور کیا جاتا ہے اول اسکی تعلیمات کو عقل کی روشنی پر دیکھنا اور دوسرے اس نظام یا نظریہ کو پیش کرنے والی ہستی کے کردار اور اسکی شخصیت اور اہمیت پر تحقیق کرنا۔ اس اصول میں اگر ہم نظام جمہوریت کو پرکھتے ہیں تو ہمیں اس نظام کے معلمین ہی کی آراء میں تضاد نظر آتا ہے اور وہ اس نظام کو نقائص سے پاک نہیں مانتے لہذا یہ نظام غیر اسلامی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا اس کسوٹی پر اسلامی نظام کیسا اترتا ہے تو اس نظام کو پیش کرنے والی ہستی یعنی پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت کردار۔ عمل اور حیات پاک کو سامنے رکھکر فیصلہ کرنا ہوگا۔ اسلام کو کامل ترین دین اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور پیغمبر اسلامؐ کی نبوت میں حکومت بھی شامل تھی۔ حکومت ایک ایسا رکن ہے جسپر رعایا کے اخلاق ۔ معاشرت۔ ثقافت۔ تہذیب و تمدن اور عروج و زوال کا دارومدار ہوتاہے اگر دین اس اہم ترین رکن حیات کی طرف سے چشم پوشی کرے تو اس کا دعوی باطل ٹھہرے گا اسلئے ضروری ہے کہ دین میں اس شعبہ سے متعلقہ تمام امور کی ہدایات موجود ہوں۔

اسلامی نظام حکومت میں اقتدار اعلیٰ خدا کا ہے۔ حکومت خدا کے نمائندوں کی ہے عوام کو کوئی اختیار نہیں کہ وہ اپنی منشا کے مطابق حکومت بنائیں کیونکہ ان میں مرکزیت و اتحاد نہیں ہے۔ زمین خدا نے پیدا کی اسلئے خالق کا حق ہے کہ اپنی مخلوق پر حکومت کرے اسلئے جسے چاہے وہ اپنا خلیفہ بناکر نگرانی کیلئے مقرر کردے بیشک خدائی تقرر بندوں کے تقرر سے بہتر ہوگا اسی اصول پر اسلام کے تمام نظام کی اساس ہے چنانچہ جب کوئی شخص اسلام قبول کرتاہے تو تمام بادشاہوں کی یا خداؤں کی نفی کرکے صرف اور صرف اللہ کو "الملک" اور "مالک الملک" تسلیم کرتا ہے اور پھر حضور سرور کائناتؐ کو اس ذات واجب الوجود کا سب سے بڑا نمائندہ تسلیم کرتا ہے کیونکہ آپ کو پروردگار عالم نے خود نامزد فرمایا ہے۔ چونکہ عوام زمین یا اسکی کسی شے یا اسکی کسی سلطنت کے

مالک نہیں ہیں اسلئے انھیں اس زمین پر سلطنت کا حاکم مقرر کرنے کا پروردگار عالم نے کوئی حق نہیں دیا کلام پاک میں حضرت آدمؑ کے واقعہ سے واضح ہے کہ تخلیق آدمؑ سے قبل یہ زمین موجود تھی مگر اسمیں کوئی انسانی آبادی نہ تھی تخلیق آدمؑ کی بڑی وجہ اللہ کو زمین پر ایک خلیفہ بنانا تھا یعنی اللہ نے اپنی حکومت کا اپنی ریاست میں پہلا نمائندہ حضرت آدمؑ کو مقرر فرمایا تھا تاکہ امور سلطنت الہیہ کی نگہبانی کریں پھر اس سر زمین پر آبادی رفتہ برفتہ بڑھی کیا خدا نے حضرت آدمؑ کو کسی جمہوری طریقہ سے اپنا خلیفہ بنایا؟ یا خود مقرر کیا۔ چونکہ انسان میں علم کی کمی ہے وہ اللہ کی مصلحتوں سے نا واقف ہے اسلئے اسے اختیار نہیں کہ اپنی کم علمی پر انحصار کرکے علیم مطلق کا نائب خود بنائے اسلامی حکومت کے خدائی نمائندہ کی اولین شرط یہ ہے کہ اسے وقت کا سب سے زیادہ عالم ہونا لازم ہے اگر وہ ایسی صفت علیم سے متصف نہیں تو وہ خدا کا نمائندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا کے نمائندہ کا تعلق براہ راست خدا سے ہوتاہے اور خدا کا علم اکمل ہے لہٰذا جسے بھی وہ اس منصب کا اہل قرار دیکر مقرر فرمائیگا اسکا علم بھی کامل ہوگا اور اسکے اقوال و افعال کی صحت و پاکیزگی کا خود خدا ذمہ دار ہوگا اسلئے وہ خود اس کا تقرر کرتا ہے۔

اسلام میں خلافت کی ایک شرط عادل ہونا بھی ہے کیونکہ بے انصاف اور غلط فیصلہ کرنے والا شخص اللہ کا نمائندہ ہرگز نہیں ہو سکتا پس جو شخص عادل بھی ہو اور گناہوں سے پاک بھی ہو اسے دینی اصطلاح میں معصوم کہتے ہیں منصب الٰہی کیلئے عصمت نہایت ہی اہم شرط ہے تاکہ وہ احکام و فرامین پروردگار عالم کو بندوں تک کسی کمی بیشی کے بغیر پہونچائے۔ اور ان کے درمیان اسطرح عدل کرے کہ خطا اور غلطیوں کا شائبہ تک نہ ہو اسی لئے پروردگار عالم نے یہ شرط باندھ کر اپنے نمائندہ کی حیثیت کی ضمانت دیدی کہ میرا نائب وہی ہو گا جو بنفس نفیس میرے دستور کو من و عن بیان کرے اور میری منشا کے مطابق اسکو نافذ کرے۔ اسلام ہی کا یہ افتخار ہے کہ اسکے قوانین کسی ترمیم یا اضافہ کے محتاج نہیں اسلام نے جو بھی قانون نافذ کیا اسمیں ماضی حال مستقبل کی تمام ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہے اسلئے اسکے احکام مختصر، جامع، وسیع اور باعث فلاح عظیم ہیں اسلام کا ہر قانون اٹل ہے جیسا عہد رسالت میں واجب العمل اور فلاحی تھا ویسا آج بھی ہے۔ اسلامی نظام حکومت یہی ہے کہ اقتدار اعلیٰ اللہ کا رہے اور انتظام حکومت

اللہ کا ہی مقرر کردہ شخص سنبھالے۔ اس نظام حکومت کے بارے میں اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو یہی کہ اس نظام میں فرد کو حق رائے دہی سے محروم کردیا گیا ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ کسی شخص یا جماعت کو کسی امر میں رائے طلب کرنے کی ضرورت تب پیش آتی ہے جب درج ذیل تین صورتیں واقع ہوں:۔

۱۔ اول جس امر کے متعلق وہ شخص یا جماعت خود کسی صحیح فیصلہ پر نہ پہونچ سکے کہ اسکے کرنے سے فائدہ پہونچے گا یا نقصان۔

۲۔ دوسرے رائے لینے والے کو خود پر یہ اعتماد نہ ہو کہ اس کا فیصلہ درست ہوگا یا نہیں۔

۳۔ تیسرے جب دوسروں کی تنقید کا خوف ہو۔

ان تینوں امور کی وجہ صرف ایک ہی ہے کہ رائے طلب کرنے والے میں علم کی کمی ہو اگر وہ عالم ہوگا تو وہ اپنے علم کی بنیاد پر ایسا فیصلہ کریگا جو ہر صورت میں فائدہ مند ہوگا اور اسے کسی تنقید کا خوف نہ ہوگا۔ انداز فکر اور طبعیت کے اختلاف کیوجہ سے انسانوں کے نظریات بھی مختلف ہوتے ہیں اسلئے سب کی رائے ایک نہیں ہو سکتی اس اختلاف کیوجہ سے پروردگار عالم نے انسان پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی کہ جمہوری طریقہ سے حاکم مقرر کریں کیونکہ وہ حاکم بنانے کے اہل ہی نہیں ہیں اور انسانوں کو اختلاف سے بچانے کی غرض سے اور اتحاد مرکزیت کے قیام کی خاطر اللہ نے جمہوریت کو حکومت میں داخل ہی نہیں کیا اسلئے اس نظام حکومت کو اسلامی نظام حکومت کہنا خدا اور رسولؐ پر بہتان کے مترادف ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ نظام حکومت اور دین جدا جدا ہیں تو یہ بھی غلط ہوگا کیونکہ کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ کے مقرر کردہ حاکموں میں سب سے اعلیٰ حاکم اور حکومت الیہ کے تاجدار حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور آپکی نبوت میں حکومت بھی شامل تھی اور ہے لہذا حکومت دین کے دائرہ سے باہر کی چیز نہیں۔ تعلیمات دین امور سلطنت پر حاوی ہیں آپ نے حکومت الیہ عملاً" قایم کرکے دکھائی جسمیں اللہ کی مرکزیت کو قائم کرنے کی تعلیم دی اور اسکے احکامات کو نافذ کیا۔ ارشاد رب العزت ہے:۔

"اور نہ کسی مومن کیلئے جائز ہے اور نہ ہی مومنہ کیلئے کہ خدا اور رسولؐ جب کسی امر کا فیصلہ کردیں تو پھر انکو اپنے اس امر کا کوئی اختیار باقی رہ جائے اور جو خدا اور

اسکے رسولؐ کی حکم عدولی کرے بس وہ تو کھلم کھلا گمراہ ہو گیا" (سورہ الاحزاب پ ۲۲ ع ۵)

اسی طرح سورہ النساء پارہ ۵ ع ۹ میں ارشاد ہے۔

"آپ کے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کردیں اسکے بارے میں اپنے دلوں میں تنگی محسوس کئے بغیر اسے پوری طرح تسلیم نہ کرلیں تو اسوقت تک یہ ہرگز ایمان والے نہیں ہونگے"

ان آیات سے ظاہر ہوا کہ اسلام و ایمان کی سب سے بڑی شرط ہی یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت بلا حیل و حجت کی جائے۔ اسلام امن عالم کا علمبردار ہے اسلئے استبدادی ضررویات کی نفی کی گئی ہے اور جہاد ہر مسلمان کا فریضہ مذہبی قرار دیا لیکن اسکا مقصد ملک جیتنا نہیں بلکہ ذہنوں اور دلوں کو جیت کر اسلام پھیلانا مقصود ہے انسانی زندگی کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اسلام کی سیاست نہیں ہے اسلام ایک مسلسل و متحد حیات کی ضمانت دیتا ہے اسے کسی حالت میں ظلم و ناانصافی گوارہ نہیں۔ اسی لئے اسلامی حکومت پر عدل و قضا کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسلام مذہب عدل ہے اسلئے اسلامی حکومت میں انتظامیہ اور عدلیہ الگ الگ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دور رسالت مآبؐ میں عدلیہ اور انتظامیہ دونوں ایک تھے کیونکہ اسلامی حکومت کامقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ ستم گر سے ستم رسیدہ کا حق حاصل کرنے کیلئے حکم انصاف صادر کرے اور ظلم وستم کا خاتمہ کرے۔ پوری ملت کو حق وانصاف کے دائرہ میں رکھے۔ اسلامی حکومت کا دستور ایک جملہ میں اسطرح بیان کیا جاسکتاہے کہ "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" انسان کا فرض ہے اور اسی پر اسلامی سیاست کی اساس ہے

قبل از پیغمبرؐ اسلام ساری دنیا امپیریل ازم کے شکنجہ میں جکڑی ہوئی تھی چنانچہ اسلام نے شخصی حکومت ختم کرکے حکومت الہیہ کا پیغام دیا اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کی تعلیم فرمائی پیغمبر اسلامؐ کا مقصد نبوت حکومت الہیہ کی تشکیل بھی تھا چنانچہ آپ نے درس توحید دیکر بنی نوع انسان کو ایک مرکزیت پر جمع ہونے کی دعوت دی تاکہ قانون خداوندی کا نفاذ ہو خود بحیثیت اس خدائی حکومت کے مقرر شدہ نمائندہ کے عملاً" تعلیم دی لیکن افسوس کہ آنحضرتؐ نے جس نظام پر حکومت الہیہ کی بنیاد رکھی تھی اسے حضورؐ کے بعد ختم کردیاگیا اور اللہ کی حاکیت کے بجائے شہنشائیت اور آمریت کو نئ

شکل سے پھر جاری کردیا گیا حالانکہ آمریت' شخصی حکومت' ملوکیت اور جمہوریت وغیرہ کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ کیونکہ حکومت الہیہ کا معیار نہ ہی دنیوی مال و دولت ہے اور نہ ہی رائے عامہ بلکہ اسلامی حکومت کی بہترین صورت یہ ہے کہ سربراہ وہی ہو جسے خداوند تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہو اور اسکی اطلاع رسول خداؐ کے ذریعہ ہوئی ہو۔ وہی نمائندہ الہٰی حکومت کرے اور اللہ کے احکام کو قوانین کو نافذ کرے اسلامی دستور حکومت میں کسی عامل کا معیار تقرر علم ضروری۔ تقویٰ اور صلاحیت کارکو قرار دیا گیا ہے اسلامی سیاست کا بے ایمانی اور مکاری سے کوئی واسطہ نہیں ہے اسلام تو کسی معاہدہ کے الفاظ تک پر بھی یہ پابندی لگا دیتا ہے کہ اسی عبارت نہ لکھی جائے جس کا مطلب صاف اور واضح نہ ہو اسکے دو متبادل معنی نہ نکلتے ہوں۔ اسلامی حکومت میں خود غرضی' تعیش پرستی' دولت کی حرص و طمع اور مفاد پرستی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اسلامی اصول دیانت اسے برداشت نہیں کرتا کہ آئین خداوندی کی مخالفت کرنے والے کسی شخص کو حاکمیت کے منصب پر برقرار رکھا جائے کیونکہ اسلام میں معیار حاکمیت علم کے ساتھ عدل اور تقویٰ قرار دیا گیا ہے اسلامی سیاستدان کیلئے سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہ دین اسلام اور اسکے اصولوں سے ایک بال برابر بھی نہ ہٹے۔ اسلام میں سیاست اور شہریت اسطرح ہم آہنگ ہیں جیسے شیر و شکر۔ ہر انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ ایک طرف تو اسکے معاشرتی حقوق ہیں تو دوسری جانب اسکے معاشرتی فرائض لہذا اس احساس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے حقوق کی حفاظت بھی کرے اور فرائض کو بھی پورا کرے۔ ان حقوق کے تحفظ کی سب سے زیادہ ذمہ داری حکومت پر لازم آتی ہے اسلام حق حیات' آزادی فکر' آزادی عمل اور معاشرتی مساوات کا علمبردار ہے اسلام میں معاشرتی بہبود کا بنیادی عنصر عدل و انصاف ہے جس سے کمزور اور طاقت ور میں توازن پیدا ہوتا ہے۔ شہریت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کا احترام کیا جائے۔

خلافت الہیہ

ہم نے اسلامی نظام حکومت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ اللہ کی حکومت' اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ اور اللہ ہی کیلئے۔ اب ہم اس کی تعریف کی روشنی میں خلافت الہیہ پر بحث کرتے ہیں۔

اللہ کی حکومت

ہمیں قرآن کریم کے بغور مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمام کائنات کا اور خود انسان اور ان تمام چیزوں کا جن سے انسان مستفید ہوتا ہے خالق ہے اور تمام مخلوق اسکی تابع فرمان ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

"وھو الذی خلق السموت والا رض با الحق
"ہ(الا نعام: ۷۳)

ترجمہ : فیصلہ کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے

قل اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القہار (
الرعد:۱۶

ترجمہ : کہو اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی یکتا سبکو مغلوب کرکے رکھنے والا ہے

لہ ما فی السمٰوت والا رض وما بینھما وما
تحت الثری (طٰہٰ: ۸)

ترجمہ : اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ انکے درمیان ہے اور جو کچھ زمین کی تہہ میں ہے

ولہ ما فی السمٰوت والا رض کل قانتون
(الروم:۲۶)

ترجمہ : اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسکے مطیع فرمان ہیں

یدبر الا مر من السماء والا رض (السجدہ:
۵)

ترجمہ : آسمان سے زمین تک دنیا کا انتظام وہی کرتا ہے

الم تعلم ان اللّٰہ لہ ملک السمٰوت والا رض (البقرہ: ۱۰۷)

ترجمہ : کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے

ولم یکن لہ شریک فی الملک (الفرقان: ۲)

ترجمہ : اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں

ان الحکم الا اللّٰہ (الانعام: ۵۷)

ترجمہ : فیصلہ کا اختیار کسی کو نہیں سوائے اللہ کے

لہ ملک السمٰوت والا رض والی اللّٰہ ترجع الامور (الحدید: ۵)

ترجمہ : آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف رجوع کئے جاتے ہیں

ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ پروردگار عالم اس کائنات کا خالق ہے اور وہی مالک و فرمانروا اور منتظم ہے اور حاکمیت کے جملہ صفات اور جملہ اختیارات صرف اللہ ہی کو حاصل ہیں اور ماسوائے اسکے کوئی اور ان صفات و اختیارات کا حامل نہیں وہ سب پر غالب ہے اور وہی سب کچھ جاننے والا ہے اور قادر ہے۔ ہر شہ اسکی تابع فرمان ہے وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے بلکہ سب اسکے سامنے جوابدہ ہیں اسی کا حکم نافذ ہوتا ہے اور کوئی اسکے حکم کو ٹالنے کی قدرت نہیں رکھتا اسکی حاکمیت بلا شرکت غیرے ہے۔ کائنات کے اس تصور کی بنیاد پر قرآن پاک فرماتا ہے کہ انسانوں کا حقیقی فرمانروا اور حاکم اعلیٰ ذات واجب الوجود ہے جو کائنات کا بھی حاکم ہے اور انسانی معاملات میں بھی اسی کی حاکمیت ہے اور اسکے سوا کوئی دوسری انسانی یا غیر انسانی طاقت حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ نظام کائنات میں تو اللہ کی حاکمیت بزور خود قائم ہے اسی طرح خود انسان بھی اپنی زندگی کے غیر اختیاری حصہ میں اسکی حاکمیت اور فرمانروائی کا اسی طرح مطیع ہے جیسے نظام کائنات کا ہر ذرہ اس کا تابع ہے لیکن پروردگار عالم انسانی زندگی کے اختیاری حصوں میں اپنی حاکمیت اپنے زور و طاقت سے مسلط نہیں کرتا بلکہ الہامی کتابوں کے ذریعہ انکو دعوت دیتا ہے کہ بالشعور اور باالارادہ اسکی حاکمیت کو تسلیم

اور اسکی اطاعت کو اختیار کریں۔ قرآن پاک کا فیصلہ ہے کہ اطاعت اللہ کی اور پیروی صرف اسکے قانون کی ہونی چاہئے اللہ کے حکم کے خلاف جو حکم بھی ہے وہ نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ ظلم و فسق اور کفر و ضلالت ہوگا اور اسطرح کا ہر فیصلہ ناجائز متصور ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم
الکافرون(المائدہ:۴۴)

ترجمہ : اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ ظالم ہیں

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم
الظالمون(المائدہ:۴۵)

ترجمہ : اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم
الفاسقون(المائدہ:۴۷)

ترجمہ : اور جو اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں
خدا اور رسولؐ کا حکم قرآن کی رو سے بالاتر قانون ہے جسکے مقابلہ میں انسان صرف اطاعت ہی اختیار کر سکتا ہے جن معاملات میں خدا اور رسولؐ اپنا فیصلہ اور حکم دے چکے ہیں ان میں کوئی شخص خود اپنا فیصلہ یا حکم دینے کا مجاز نہیں

اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ حکومت

قرآن کریم ہی وہ کتاب دستور اور کتاب قانون ہے جس پر ایک اسلامی مملکت کی بنیاد قائم ہوتی ہے چنانچہ ہم اس پر غور کرنے کیلئے کہ اللہ کی حکومت اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ کس طرح عمل میں آتی ہے اسی قانون الٰہیہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھاالذین امنو اطیعو اللہ ور اطیعو
الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی

شئی فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تو
منون باللہ والیوم الاخر۔ (النساء: ۵۹)

ترجمہ : اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں اور اگر تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو اور تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

اسی سورہ میں آگے چل کر ارشاد رب العزت ہے :

ومن یطیع اللہ والرسول فاولئک مع الذین
انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین
والشھداء والصلحین وحسن اولئک رفیقا
○ (النسا : ۶۸)

ترجمہ : اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہی تو ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے کہ بعض پیغمبروں میں سے ہیں اور بعض صدیقون میں سے ہیں اور بعض شہیدوں میں سے ہیں اور بعض علما میں سے ہیں اور وہی لوگ رفاقت کے لیے سب سے اچھے ہیں۔

سورۃ النساء کی انسٹھویں آیت کے بارے میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے مراد حاکم وقت ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور بعض اس سے مراد فقہاء لیتے ہیں اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ اس آیت میں اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں۔ آیا حاکم وقت اولی الامر کی تعریف میں آتا ہے یا نہیں اس آیت سے ماقبل آیت میں بیان ہے کہ :

ان اللہ یامر کم ان تودو الامنت الی اھلھا
واذحکمتم بین الناس ان تحکمو بالعدل
ان اللہ نعما ً یعظکم ط ان اللہ کان سمیعا ً
بصیرا ○ (النساء : ۵۸)

ترجمہ :

(اے ایماندارو) خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ لوگوں کی امانتیں امانت رکھنے والوں کے حوالہ کر دو اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو خدا تم کو اس کی کیا ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ اس میں تو شک نہیں کہ خدا (سب کی) سنتا (اور سب کچھ) دیکھتا ہے۔

ان دونوں آیتوں میں پروردگار عام مومنوں سے خطاب کر رہا ہے اور ان کو حکم دیتا ہے ہے کہ تم لوگوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دو اور جب لوگوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اور اولی الامر کی اطاعت کرو اور جب تم میں کسی بات پر جھگڑا ہو تو خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو اس کے بعد جو آیت آتی ہے اس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الم ترا الی الذین یزعمون انهم امنوا بما
انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان
یتحا کموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفر
وابه ویرید الشیطن ان یضلهم ضلا" بعیدا"
○

ترجمہ : (اے رسول) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جو یہ خیالی پلاؤ پکاتے ہیں کہ جو کتاب تجھ پر نازل کی گئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل کی گئیں (سب پر) ایمان لائے ہیں اور دلی تمنا یہ ہے کہ سرکشوں کو اپنا حاکم بنائیں حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ ان کی بات نہ مانیں اور شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کے بہت دور لے جائے۔

اسی سورہ میں آگے چل کر جو آیت آتی ہے (النساء : ٦٨) اس میں پروردگار عالم فرماتا ہے کہ جو اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کریں گے تو وہی ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور وہ انعام پانے والے حضرات بعض پیغمبروں میں سے بعض صدیقوں میں سے، بعض شہیدوں میں سے اور بعض صالحین (علا) میں سے ہیں۔

اس آیت میں اولی الامر کو سمجھنے کے لیے جن ماقبل اور مابعد آیات کا ذکر کیا گیا ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی ہیں اور کثرت سے ہیں جو باوجود قرآن پاک اور اس سے قبل کی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنے کے سرکشوں کو اپنا

حاکم بنانا چاہتے ہیں لیکن ایمانداروں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ان کی بات نہ مانیں کیونکہ ایسے لوگوں کو شیطان بہکا کر دور لے جانا چاہتا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ سرکش حاکم اگر مقرر ہوں تو یہ شیطان کے نمائندہ ہوں گے۔ اس لیے پروردگار عالم اس آیت میں ایسے حاکموں کو اولی الامر فرما کر قابل اطاعت نہیں بنا سکتا چونکہ آیت کا سیاق و سباق یہ بتا رہا ہے کہ حکم پروردگار عالم یہ ہے کہ اطاعت اللہ کی اطاعت رسولؐ اور اولی الامر کی فرض ہے اگر حاکم سرکش یا ظالم ہو تو اس کی اطاعت اللہ اور رسولؐ کی اطاعت تصور نہ ہو گی بلکہ وہ تو شیطان کی تصور ہو گی اس آیت میں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت جدا کیوں بیان کی گئی اور رسولؐ اور اولی الامر کی ایک ساتھ جدا بیان کیوں فرمائی۔ اگر ان تینوں کے لیے اطاعت ایک جیسی ہوتی تو صرف ایک لفظ "اطاعت" بیان کرنا کافی ہوتا ہے لیکن پروردگار عالم یہ بتانا چاہتا ہے کہ میری "اطاعت" میں کچھ ایسے اعمال بھی شامل ہیں جو رسولؐ اور اولی الامر کی ذات کے لیے نہیں ہیں جیسے سجدہ' رکوع وغیرہ وہ صرف میری ذات کی اطاعت سے وابستہ ہیں اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت میں فرق نہیں ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اولی الامر کی صفات بھی ویسی ہی ہوں گی جیسی رسولؐ کی۔ اگر اولی الامر کی صفات اور رسولؐ کی صفات میں یا میں یوں کہہ دوں کہ اگر رسولؐ کی ذات اور اولی الامر کی ذات میں فرق ہوتا تو اولی الامر کے لیے علیحدہ لفظ "اطاعت" ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو صفات رسولؐ کے حامل نہیں وہ اولی الامر نہیں ہو سکتے لہٰذا ہر حاکم وقت ایسی صفات کا حامل نہیں ہو سکتا اس لیے وہ قابل اطاعت نہیں لفظ اطاعت جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے اس سے مراد اطاعت مطلق ہے نہ کہ جزوی یعنی ان احکامات میں تو اطاعت لازم ہو جو خدا اور رسولؐ کے احکامات کے مطابق ہوں اور جو نہ ہوں ان میں اطاعت لازم نہ ہو ایسا نہیں ہے بلکہ جب اولی الامر کا ہر حکم مطلقاً خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو گا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مصداق ہو گا تب ہی قابل اطاعت اولی الامر ہو سکتا ہے لہٰذا اولی الامر سے امیر و بادشاہ اور صاحبان حکومت یا فقیہ یا مجتہد مراد لینا درست نہیں ہے۔ مجتہد یا فقیہ سے فقہ اور اجتہاد میں غلطی سرزد ہونے کا احتمال ہے اور اولی الامر اس سے بالاتر ہے۔

لفظ اولو کے معنی

اب ہم اس آیت میں الفاظ اولی الامر کے معنی سمجھنے کے لیے قرآن کریم ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ لفظ "اولو" جمع ہے لفظ "ذو" کی جس کے معنی ہیں صاحب اور مونث کے واسطے اولاۃ بولا جاتا ہے۔ لہذا معنی ہوئے "صاحبان" اس لفظ کی تصریح اس لفظ کی تصریح لغت مثل القاموس المحیط' محیط المحیط' صلاح جوہری' مجمع البحرین اور قرآن مجید میں موجود ہے چنانچہ قرآن مجید سے چند آیات حسب ذیل ہیں :

الو بقیعه ینهون عن الفساد فی الارض

(ہود - پارہ ۱۲)

ترجمہ : صاحبان عقل و رائے زمین میں فساد کرنے سے منع کرتے ہیں۔

لقد کان فی قصصهم عبرۃ لا ولی الباب۔

(یوسف - پارہ ۱۳)

ترجمہ : ان کے قصوں میں صاحبان عقول کے لئے عبرت ہے۔

ولیذکر الوالالباب (ابراهیم - پارہ ۱۳)

ترجمہ : اور چاہئے کہ صاحبان عقول اس کو یاد کریں۔

بعثنا علیکم عباد النا اولی باس شدید (بنی اسرائیل - پارہ ۱۵)

ترجمہ : ہم نے مبعوث کیا پر ایسے بندوں کو جو سخت خوف والے ہیں۔

اوالتابعین غیر اوالا ربته من الرجال (نور - پارہ ۱۸)

ترجمہ : جو غلام صاحبان حاجت و شہوت ہیں ان کے سامنے عورت جو ان کی آقا ہیں آ سکتی ہیں۔

قالو نحن الوا قوۃ والوا باس شدید (نمل - پارہ ۱۹)

ترجمہ : بلقیس کے لشکریوں نے کہا ہم صاحبان قوت ہیں اور صاحبان خوف و رعب ہیں۔

واولئک ہم الو الالباب (زمر - پارہ ۲۳)

ترجمہ : یہی لوگ ہیں جو صاحبان عقول ہیں

فاتقوا اللہ یا اولی الالباب (طلاق - پارہ ۲۸)

ترجمہ : اے صاحبانِ عقل اتقا کرو اللہ سے۔

ان تمام آیات سے ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں لفظ الو جمع کے صیغہ میں استعمال کیا گیا ہے اور اگر کسی مقام پر شخص واحد مراد لیا گیا ہے تو مجازاً" اطلاق کیا گیا ہے اور حقیقی معنی وہاں بھی جمع کے ہیں اور دیگر الفاظ اس کے ہمراہ جمع کے ہیں مثلاً"

ولا یاتل الو الفضل منکم والسعتہ ان یوتو
اولی القربی والمسکین والمھجرین فی
سبیل اللہ ولیعفوا ولیصفحوا لا تحبون ان
یغفر اللہ لکم ○ (نور - پار ۱۸)

ترجمہ : اور جو لوگ تم میں سے صاحبان فضل و وسعت ہیں ان کو چاہئے کہ وہ اپنے اہل قرابت و مساکین و مہاجرین کو عطا کرنے سے انکار نہ کریں اور نہ دینے کی قسم نہ کھالیں اور نہ دینے کا جو عہد و پیان کر لیا ہے بس ان کو لازم ہے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کر دیں کیا تم اس امر کو دوست نہیں رکھتے کہ خدا تعالی تمہاری مغفرت کرے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ کلام ربانی میں "الو" جمع کے لئے آیا ہے لہذا آیت زیر بحث میں بھی "الو" جمع کے لئے استعمال کیا گیا ہے پس اس سے مراد واحد شخص یا صاحب نہیں ہو سکتا۔

لفظ "امر" کے معنی

اس آیت میں دوسرا لفظ "امر" ہے اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ لفظ قرآن مجید میں کن کن معنی میں استعمال ہوا ہے۔ سنداً" آیات ذیل تحریر کی جاتی ہیں :-

امر بمعنی کام یا نفع

وامرہ الی اللہ (سورۃ بقر - پارہ ۳)

اس کا کام یا نفع اللہ کے سپرد ہے۔
انما امرھم الی اللہ (انعام - پارہ ۸)
ترجمہ : ان کا کام اللہ کے حوالہ ہے۔

امر بمعنی کار :۔

اذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون
(آل عمران - پارہ ۳)
ترجمہ : جب خدا نے کسی کام کا حکم کیا تو وہ کہتا ہے ہو جا اور وہ فوراً ہو جاتا ہے۔
ھل ینظرون الا ان یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام والملئکتہ و قضی الامر والی اللہ ترجع الامور (بقر - پارہ ۲)
ترجمہ : کیا لوگ انتظار رکھتے ہیں کہ آوے ان پر خدا اور فرشتے ابر کے سائبانوں میں فیصل ہو گیا کام اور اللہ کی طرف سب کام رجوع کرتے ہیں۔
ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا فان ذالک من عزم الامور ○
(آل عمران - پارہ ۴)
ترجمہ : اے خدا ہمارے گناہوں کو اور کام میں حد سے بڑھ جانے کو بخش دے کیونکہ یہ بہت بڑا کام ہے۔
لو ان عندی ما تستعجلون بہ یقضی الامر
(انعام - پارہ ۷)
ترجمہ : اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم جلدی چاہتے ہو تو یقیناً کام پورا ہو جاتا۔
فاجمعو امرکم و شرکائکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمہ (یونس - پارہ ۱۱)
ترجمہ : اپنے کام پر اتفاق کر لو اور شرکا کو متفق بنا لو پھر تمہارا کام تم پر مخفی نہ ہو گا۔

التعجبین من امر الله الیه (ہود پارہ ۱۲)

ترجمہ : اے سارا کیا تو کار خدا سے تعجب کرتی ہے۔

یرجع الامر کله فاعبلوہ و توکل علیه (ہود۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : اللہ کی طرف ہر کام رجوع کرتا ہے۔ پس اس کی ہی عبادت کرو اور اسی پر توکل کر۔

واللہ غالب علی امرہ (یوسف۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : اللہ ہی اپنے کام پر غالب ہے۔

قضی الامر الذی فیه تستفتیان

(یوسف۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : وہ کام تمام ہو گیا جس میں تم دونوں رائے لیتے تھے۔

وما امر الساعۃ الا کلمح البصر

(نمل۔ پارہ ۱۴)

ترجمہ : قیامت کا کام چشم زدن کا سا ہے۔

امر بمعنی کار و عمل :۔

لا ترھقنی من امری عسرا"

(سورۃ کہف۔ پارہ ۱۵)

ترجمہ : مشکل میں میرے کام کو مت ڈال

وسنقول له من امرنا یسرا"

(سورۃ کہف۔ پارہ ۱۵)

ترجمہ : اور ہم عنقریب اس سے اپنے کام کی آسانی کے واسطے کہیں گے۔

فتنا زعوا امرھم بینھم (طه۔ پارہ ۱۶)

ترجمہ : پھر آپس میں انہوں نے جھگڑا کیا۔

افتونی فی امری ما کنت قاطعة امرا حتی تشھدون (نمل پارہ ۱۹)

ترجمہ :

تم رائے دو میرے کام میں کہ میں کسی امر میں یقین نہیں کر سکتی جب تک کہ تم اس پر شہادت نہ دو۔

والی اللہ عاقبتہ الامور (لقمان۔ پارہ ۲۱)

ترجمہ : تمام کاموں کا انجام اللہ کی طرف ہے

وافوض امری الی اللّٰہ (مومن۔ پارہ ۲۴)

ترجمہ : اپنے کام کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں

فاذا قضی امراً فانما یقول لہ کن فیکون

(مومن۔ پارہ ۲۴)

ترجمہ : جب اللہ کسی کام کا حکم کرتا ہے تو وہ کہہ دیتا ہے ہو جا پس وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

ولو تواعدتم لا خلفتم فی المیعاد ولکن لیقضی اللہ امراً کان مفعولا

(انفال۔ پارہ ۱۰)

ترجمہ : اگر تم باہم وعدہ قتال کرتے تو پھر ضرور وعدہ میں خلاف کرتے لیکن اللہ نے تم کو باہم جا بجا کفار سے مقابلہ کرا دیا تاکہ کار مقدر کو اللہ تمام کرے۔

ولوا انکہم کثیراً الفشلتم ولتنازعتم فی الامر (انفال۔ پارہ ۱۰)

ترجمہ : اگر وہ تم مجاہدین کو زیادہ کر دکھاتا تو تم بے شک نامردی کرتے اور کار جہاد میں

ھیی لنا من امرنا رشداً (کہف۔ پارہ ۱۵)

ترجمہ : اے خدا ہمارے کام راستی اور درستی سے تیار کر دے۔

فلا نیا زعنک فی الامر (حج۔ پارہ ۱۷)

ترجمہ : پس وہ تجھ سے کسی کام میں جھگڑا نہ کرے گا۔

الا الی اللہ تصیر الامور (شوری۔ پارہ ۲۵)

ترجمہ : خوب جان لو کہ تمام امور کی بازگشت اللہ کی طرف ہے

فاذا عزم الامر (محمد۔ پارہ ۲۶)

ترجمہ : وہ جب کسی کام کا قصد کرے۔

لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتهم
(حجرات۔ پارہ۲۶)

ترجمہ : اگر تمہارے اکثر کاموں میں اطاعت کرتا تو البتہ تم رنج میں پڑتے

فالتقی الماء علی امر قد قدر (قمر - پارہ ۲۷)

ترجمہ : اندازہ مقرر پر آسمان و زمین کا پانی ایک ہو گیا۔

وما امرنا الا واحدۃ کلمح بالبصر
(قمر - پارہ ۲۷)

ترجمہ : ہمارا کام تو فقط مثل ایک چشم زدن کے ہے۔

ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شئی قدرا" - (طلاق - پارہ ۲۸)

ترجمہ : اللہ پورا اور کامل ہے اپنے کام میں یقیناً" اس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا۔

ومن یتق اللہ یجعل لہ من امرہ یسیرا"
(طلاق - پارہ ۲۸)

ترجمہ : جو پرہیز کرے اللہ کے لئے تو اللہ اس کے کام میں سہولت کر دیتا ہے۔

فالمدبرات امرا" (نازعات - پارہ ۳۰)

ترجمہ : پھر وہ فرشتے جو تدبیر کرنے والے ہیں کام کے

والامر الیک (نمل - پارہ ۱۹)

ترجمہ : تمام کام تیری سپرد ہے۔

فیھا یفرق کل وامر حکیم (دخان - پارہ ۲۵)

ترجمہ : اس میں فیصلہ کیا جائے گا ہر کام "حکم" شدہ کا۔

ثم جعلنک علٰی شریعتہ من الامر
(الجاثیہ - پارہ ۲۵)

ترجمہ :

پھر کر دیا ہم نے تجھ کو ایک کام کے راستہ پر

امر مقابل نہی حکم

ویقطعون ما امر اللہ بہ (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : وہ یقین کر لیتے ہیں اس چیز میں جس کے ساتھ اللہ نے حکم کیا۔

اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : کیا تم لوگوں کو نیکی کے ساتھ حکم کرتے ہو اور اپنے نفوس کے واسطے بھولتے ہو۔

ان اللہ یامرکم ان تذبحو البقرۃ (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : اللہ تم کو گائے کے ذبح کرنے کا حکم کرتا ہے۔

فافعلوا ما تومرون (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : تم وہ بات کرو جس کے واسطے حکم دیئے جاؤ۔

قل بئسما یا مرکم بہ ایمانکم ان کنتم مومنین۔ (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : وہ چیز بری ہے جس کے واسطے تم کو تمہارے عہد و پیمان حکم کرتے ہیں۔

فاعفوا واصفحو حتی یاتی اللہ بامرہ (بقر۔ پارہ۱)

ترجمہ : تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک اللہ اس کے ساتھ حکم کرے۔

انما یامرکم بالسو والفحشاء (بقر۔ پارہ۲)

ترجمہ : شیطان تم کو فقط بری چیز کا حکم کرے گا۔

فاتوھن من حیث امرکم اللہ (بقر۔ پارہ۲)

ترجمہ : عورت سے جماع اس جگہ کرو جس جگہ کا حکم اللہ نے فرمایا ہے

الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء (بقر۔ پارہ۳)

ترجمہ : شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرے گا اور تم کو برائی کا حکم کرے گا۔

ولا یامرکم ان تتخذو الملئکته والنبین اربابا" ایامرکم بالکفر بعد اذا انتم مسلمون (آل عمران۔ پارہ ۳)

ترجمہ : نبی تم کو یہ حکم نہیں دے سکتا کہ تم انبیا اور ملا ئکہ کو خدا جانو کیا وہ کفر کا حکم دے سکتا ہے تمہارے مسلمان ہونے کے بعد۔

کنتم خیر امته اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر (آل عمران پارہ ۴)

ترجمہ : تم بہتر امت تھے جو لوگوں کی ہدایت کے واسطے ظاہر کئے گئے حکم کرتے ہو۔ اور کرو گے نیکی کا اور منع کرو گے برائی سے۔

امر • بمعنی حکم

وقدامروا ان یکفروا به (نساء۔ پارہ ۵)

ترجمہ : وہ یقینی کفر کرنے کا حکم کئے گئے۔

لا خیر فی کثیر من لنجوا لھم الا من امر بصدقته او معروف او اصلاح بین الناس (نساء۔ پارہ ۵)

ترجمہ : اکثر مشوروں میں ان کی بہتری نہیں ہے مگر اس مشورہ میں خیر ہے جو حکم کرے صدقہ اور نیکی اور اصلاح کے ساتھ۔

ما قلت لھم الا ما امرتنی به (مائدہ۔ پارہ ۷)

ترجمہ : میں نے ان سے بجز اس چیز کے کہ جس کے ساتھ تو نے مجھ کو حکم دیا کچھ نہیں کیا۔

وامرنا لنسلم لرب العالمین (انعام۔ پارہ ۷)

ترجمہ : اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم رب العالمین کے واسطے اسلام لائیں اور گردن رکھیں

لا شریک له و بذالک امرت وانا اول

المسلمین (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : اس خدا کا کوئی شریک نہیں اور اسی کے ساتھ حکم کیا گیا اور میں مسلمانوں میں پہلا ہوں۔

الا له الخلق والامران الله لا یامرکم بالفحشاء (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : آگاہ ہو کہ اس خدا کے واسطے خلق اور حکم ہے یقیناً" خدا تم کو برائی کا حکم نہ دے گا۔

امر مقابل نہی

قل امر ربی بالقسط (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : تو کہدے کہ میرے رب نے تجھ کو عدل کا حکم دیا ہے۔

وعتوا عن امر ربهم (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : انہوں نے اپنے رب کے حکم سے تجاوز کیا۔

اعلجتم امر ربکم (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : کیا تم نے حکم رب میں جلدی کی۔

جذ العفو و امر بالمعروف و اعرض عن الجهلین (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ : عفو کو اختیار کر اور نیکی کا حکم کر اور جاہلوں سے اعراض کر۔

یامرون بالمنکر وینهون عن المعروف۔ (توبہ۔ پارہ۱۰)

ترجمہ : وہ حکم کرتے ہیں برائی کے ساتھ اور منع کرتے ہیں نیکی اور احسان سے

وامرت ان اکون من المسلمین (یونس۔ پارہ۱۱)

ترجمہ : میں حکم دیا گیا ہوں کہ اول مسلمانوں میں ہو جاؤں

والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره (اعراف۔ پارہ۸)

ترجمہ :

آفتاب ماہتاب ستارے تابع ہیں اس کے حکم کے

واخرون مرجون الامر الله ما یغذ بھم واما یتوب علیھم(توبہ۔ پارہ ۱۱)

ترجمہ : ان کو عذاب دے یا توبہ ان کی قبول کرے

وابتعوا امر فرعون(ہود۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : انہوں نے حکم فرعون کی پیروی کی

امراۃ تعبدو والا ایاہ(یوسف۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : (یوسف نے کہا) خدا نے حکم کیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت نہ کرو۔

ولما دخلوا من حیث امرھم ابو ھم(یوسف ۔ پارہ ۱۲)

ترجمہ : جبکہ اخوان یوسف وہاں سے داخل ہوئے جدھر سے ان کے باپ نے حکم کیا تھا۔

ویقطون ما امر الله بہ(رعد ۔ پارہ ۱۳)

ترجمہ : وہ یقین کرتے ہیں اس بات کا جس کے ساتھ اللہ نے حکم کیا۔

قل انما امرت ان اعبدا الله ولا اشرک بہ(رعد ۔ پارہ ۱۳)

ترجمہ : میں فقط اس امر کا حکم کیا گیا کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں۔

فاصدع بما تومر (حجر ۔ پارہ ۱۴) واعرض عن المشرکین (حجر ۔ پارہ ۱۴)

ترجمہ : اظہار کر اس چیز کا جس کا تو حکم کیا گیا ہے۔ اور اعراض کر اہل شرک سے۔

ان الله یامر بالعدل والاحسان (نحل ۔ پارہ ۱۴)

ترجمہ : یقیناً" خدا حکم کرتا ہے عدل و احسان کے ساتھ

واذا ردنا ان نھلک قربتہ امرنا مترفیھا

لفسقوا فیها (بنی اسرائیل۔ پارہ۱۵)

ترجمہ : جب ہم قصد کرتے ہیں کسی قریہ کے ہلاک کرنے کا تو ہم اس کے اہل ثروت کو حکم کرتے ہیں پس جب وہ اس حکم کی نافرمانی کرتے ہیں تب ان پر عذاب نازل ہو جاتا ہے۔

فضیق عن امر ربہ (کہف۔ پارہ۱۵)

ترجمہ : شیطان نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم سے

واطیعوا امری (طہ۔ پارہ۱۶) افعصیت امری (طہ۔ پارہ۱۶)

ترجمہ : میرے حکم کی اطاعت کرو۔ کیا میرے حکم کو تو نے اے ہارون رد کر دیا

والسلیمان الریح عاصفتہ تجری بامرہ (انبیاء۔ پارہ۱۷)

ترجمہ : (اللہ نے) سلیمان علیہ السلام کے تحت ہوا کو تابع کیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی

ولیئن امرتھم لیخرجن (نور۔ پارہ۱۸)

ترجمہ : اور اگر تو ان کو حکم کرے تو وہ ضرور نکل جائیں گے۔

فلیحذرالذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنتہ او یصیبھم عذاب الیم (نور۔ پارہ۱۸)

ترجمہ : چاہئے کہ ان لوگوں کو ڈراوے جو اس کے رب کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ پہونچے گا ان کو کوئی فتنہ یا پہونچے گا دردناک عذاب۔

ولا تطیعوا امر المسرفین (شعرا۔ پارہ۱۹)

ترجمہ : نہ مانو فضول خرچوں کے حکم کو۔

فانظر ماذا تامرین (نمل۔ پارہ۱۹)

ترجمہ : پس غور کر اے بلقیس اس حکم میں جو تو دے رہی ہے۔

انما امرت ان اعبدو رب ھذہ البلدۃ التی حرمھا ولہ کل شئی وامرت ان اکون من

المسلمین (نمل۔ پارہ ۲۰)

ترجمہ : مجھ کو یہی حکم ہے کہ میں بندگی کروں اس شہر کے مالک کی جس نے اس کو حرم بنایا اور اس کے لئے ہر چیز ہے اور میں حکم کیا گیا ہوں کہ میں حکم بردار رہوں۔

ومن ایته ان تقوم اسماء والارض بامره

(روم۔ پارہ ۲۱)

ترجمہ : اور اس کی نشانیوں سے یہ ہے کہ آسمان و زمین اس کے حکم سے کھڑا رہے۔

ولبحری الفلک بامره (روم۔ پارہ ۲۱) یا بنی

اقم الصلوة وامر بالمعروف

(لقمان۔ پارہ ۲۱)

ترجمہ : اور اس کے حکم سے چلیں جہاز۔ اے فرزند نماز ٹھیک کر اور احسان کے ساتھ حکم کر

وجعلنا منهم ائمته یهلون بامرنا

(سجلہ۔ پارہ ۲۱)

ترجمہ : اور ہم نے ان میں سے ایسوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں۔

وکان امر الله قدرا" مقدورا۔

(احزاب۔ پارہ ۲۲)

ترجمہ : اللہ کا حکم مقرر ہی ٹھہر چکا۔

ومن یزغ منهم عن امرنا نزقه من عذاب

السعیر۔ (سبا۔ پارہ ۲۲)

ترجمہ : اور جو شخص ان میں سے ہماری حکم عدولی کرے گا اس کو ہم چکھا دیں گے آگ کا عذاب۔

قال یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء

الله من الصابرین (صفت۔ پارہ ۲۳)

ترجمہ : (حضرت اسمٰعیل نے کہا) بابا جان اس کام کو کرو جس کے واسطے تم حکم کئے گئے ہو۔ تم مجھ کو انشاء اللہ برداشت کرنے والوں میں سے دیکھ لو گے۔

انی امرت ان اعبدالله مخلصا" الدین و
امرت لان اکون اول المسلمین (زمر۔ پارہ ۲۳)

ترجمہ : میں حکم کیا گیا ہوں کہ اللہ کی خالص ہو کر عبادت کروں اور یہ بھی حکم کیا گیا ہوں کہ میں اول خدا کے ماننے والوں سے ہوں۔

یلقے الروح من امرہ (مومن ۔ پارہ ۲۴)
واستقم کما امرت (شوری۔ پارہ۲۵)

ترجمہ : اتارا ہے روح کو اپنے حکم سے۔ جس طرح تم کو حکم دیا گیا ہے۔

وامرت لا عدل بینکم (شوری ۔ پارہ ۲۵)
تدمر کل شئی بامر ربھا (احقاف۔ پارہ۲۶)

ترجمہ : اس طرح مجھ کو حکم ہے کہ میں تم بین عدل کروں ۔ تو ہر چیز کو ہلاک کرتی ہے (اے ہوا) حکم سے رب کے

فان بعث احدا لهما علی الاخری فقاتلوا
لتی تبغی حتی تفی الی امرالله
(حجرات۔ پارہ۲۶)

ترجمہ : اگر بغاوت کرے ایک طائفہ دوسرے پر پس تم اس گروہ سے مقاتلہ کرو جو بغاوت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف رجوع کرے۔

امر تامرھم احلامھم (طور۔ پارہ۲۷)

ترجمہ : کیا ان کو حکم کرتی ہیں ان کی عقلیں

امر بمعنی فرمان

وعزتکم الامانی حتی جاء امرالله
(حدید پارہ۲۷)

ترجمہ : دھوکا دیا تم کو آرزوؤں سے یہاں تک کہ حکم خدا آگیا۔

ذالک امر اللہ انزلہ الیکم (طلاق۔ پارہ ۲۸)

ترجمہ : یہ حکم ہے خدا کا جو اس نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔

لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یومرون۔ (تحریم۔ پارہ ۲۸)

ترجمہ : فرشتے اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اس امر میں جس کا ان کو اللہ نے حکم کیا اور وہ ہیں اس کام کو جس کا وہ حکم دیئے گئے ہیں۔

وما امرو الا یعبد وو اللہ مخلصین لہ الدین

(بینہ پ ۳۰)

ترجمہ : اور ان کو یہ ہی حکم ہوا کہ وہ عبادت کریں اللہ کی خالص کرکے دین میں۔

امر بمعنی مشورہ

یرید ان یخرجکم من ارضکم فماذا تامرون

(اعراف پ ۹)

ترجمہ : موسیٰ کا یہ قصد ہے کہ تم کو تمہاری زمین سے نکال دے پس تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

وامرو قومک یاخذوبا حسنھا

(اعراف پ ۹)

ترجمہ : تو اپنی قوم کو مشورہ دے کہ وہ بہتر باتیں اختیار کریں۔

امر بمعنی عذاب

فلما جاء امرنا نجینا ھودا" والذین معہ

(ہود پ ۱۲)

ترجمہ : پھر جب ہمارا عذاب آیا تو ہم نے ہود اور اس کے ساتھیوں کو بچا دیا۔

ولما جاء امرنا نجینا شعیبا" والذین امنو

معہ
(ہود۔ پ ۲)

ترجمہ : جب ہماری بلا نازل ہوئی تو ہم نے شعیب اور ساتھیوں کو بچا دیا۔

فیما اغنت غنھم الھتم التی یدعون من دون
اللہ من شئی لما جاء امر ربک (ہود پ ۲)

ترجمہ : پس جب تیرے رب کا عذاب پہنچا تو ان کو ان کے خداؤں نے جن کو وہ سوائے خدا کے پکارتے تھے نجات نہ دی۔

ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملٰکتہ اویاتی
امر ربک (نحل پ ۱۴)

ترجمہ : وہ کچھ انتظار نہیں کرتے مگر یہ ہی کہ ان کے سامنے فرشتے آئیں یا تیرے رب کا عذاب۔

فاذا جاء امرنا وقاء التنور (مومنون پ ۱۸)

ترجمہ : پس جب آیا ہمارا عذاب اور جوش زن ہوا تنور

فاذا جاء امر اللہ قفی بالحق (مومن پ ۲۴)

ترجمہ : پس جب کہ عذاب خدا آیا تو حق کے ساتھ طے کیا گیا۔

یا ارض ابلعی ماء ک ویسماء اقلعی و
غیض الماء و قضی الا مر (ہود پ ۲)

ترجمہ : ہم نے کہا اے زمین اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان برسنے سے ٹھہر جا سوکھ گیا پانی اور عذاب طے کیا گیا۔

اتھا امرنا لیلا" و نھارا" فجعلنھا
حصیدا" کان لم تغن بالا مسی (یونس پ ۱۱)

ترجمہ : ہمارا عذاب اس پر پہنچا بس ہم نے اس کو کاٹ ڈالا گویا کہ وہ کل یہاں بستے نہ تھے۔

امر بمعنی شان

وما امر فرعون برشید (ہود پ ۲)

ترجمہ :

فرعون کی شان و حالت ٹھیک نہیں۔

اتما امره اذا اراد شیئا" ان یقول له کن
فیکون (یٰسین پ ۲۳)

ترجمہ : اس کے سوا اس کی اور شان نہیں ہے کہ جب کسی چیز کا قصد کرتا ہے تو اس شے کو کہتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے۔

امر بمعنی شے

اذا جاء هم امرد' من الا من والخوف اذاعو
(نساء پ ۵)

ترجمہ : جب ان کو کوئی چیز امن یا خوف کی بابت پہنچی تو انہوں نے افشا کر دیا۔

قل الروح من امر ربی (بنی اسرائیل پ ۱۵)

ترجمہ : کہدے (اے محمدؐ) کہ روح خدا کی ایک چیز ہے۔

امر بمعنی قول رائے

اذتینا زعون بینهم امرهم (کہف پ ۱۵)

ترجمہ : جب وہ باہم اپنی رائے اور قول میں نزاع کرتے ہیں

امر بمعنی دین

قال الذین غلبو علی امرهم لنتخذن علیهم
مسجدا" (کہف پ ۱۵)

ترجمہ : جو اپنے دین میں غالب ہو گئے تو انہوں نے کہا ہم ضرور مسجد بنائیں گے۔ (تاکہ اس میں نماز پڑھیں۔)

وتقطعو امرهم بینهم (انبیاء پ ۱۷)

ترجمہ : انہوں نے دین میں اپنے جدائی کی۔

فتقطعو امرهم بینهم زمرا" (مومنون پ ۱۸)

ترجمہ :

آپس میں انہوں نے اپنے دین کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔

ہم نے مندرجہ بالا آیات میں دیکھا کہ قرآن مجید میں لفظ "امر" مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے کاروکنفع ۲ آیات ہیں۔ کام کے معنی میں ۱۱ آیات میں کار و عمل ۲۵ آیات ہیں۔ امر مقابل نہی ۵۳ آیات ہیں۔ امر بمعنی حکم ۸ آیات میں۔ امر بمعنی فرمان ۴ آیات میں۔ امر بمعنی مشورہ ۲ آیات میں امر بمعنی عذاب ۸ آیات ہیں۔ امر بمعنی شان ۲ آیات میں امر بمعنی چیز ۲ آیات میں۔ امر بمعنی قول و رائے ایک آیت میں اور امر بمعنی دین ۴ آیات میں۔

اس موقع پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امر جو مقابل نہی آیا ہے وہ اردو میں بمعنی حکم استعمال کیا جاتا ہے لیکن عربی میں حکم بمعنی امر نہیں آتا بلکہ عربی میں "امر" ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ عربی میں "حکم" بمعنی "فیصلہ" آتا ہے جس کے لیے "یحکم" استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات سے ظاہر ہے۔

یحکم بمعنی فیصلہ کرنا

فاللہ یحکم بینهم یوم القیمته فیما کانو
فیه یختلفون (بقر۔ پ۱)

ترجمہ : اللہ فیصلہ کرے گا ان میں قیامت کے دن جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

وانزل معهم الکتاب بالحق یحکم بین الناس
فیما اختلفو فیه (بقر پ۲)

ترجمہ : اور اللہ نے ان کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ فیصلہ کریں لوگوں کی اختلافی چیز میں۔

واذ حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل
(نساء پ۵)

ترجمہ : اور جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو تم پر لازم ہے کہ عدل کے ساتھ فیصلہ کرو۔

انا انزلنا التوراة فیها هدی و نور یحکم
بها النبیون (مائدہ پ۶)

ترجمہ : ہم نے یقیناً توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے ساتھ انبیاء فیصلہ کرتے تھے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون (مائدہ پ٦)

ترجمہ : اور جو لوگ موافق اسکے فیصلہ نہیں کرتے جیسے اللہ نے حکم دیا تو وہ کافر ہیں۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون (مائدہ پ٦)

ترجمہ : اور جو فیصلہ اس طرح نہیں کرتے جس طرح اللہ نے فرمایا پس وہ ظالم ہیں۔

ولیحکم اھل الا نجیل بما انزل اللہ فیہ
ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون (مائدہ پ٦)

ترجمہ : اور اہل انجیل کو چاہئے کہ وہ موافق اس کے فیصلہ کریں جو انجیل میں ہے پس وہ فاسق ہیں۔

وان احکم بینھم بما انزل اللہ (مائدہ پ٦)

ترجمہ : اور ان میں فیصلہ کر اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے نازل کی۔

یحکم لہ ذوا عدل منکم (مائدہ پ٧)

ترجمہ : فیصلہ کریں اس معاوضہ کا تم میں سے دو صاحبان عدل

قل انی علی بنیتہ من ربی و کذبتم بہ ما عندی ما تستعجلون بہ ان الحکم الا للہ یقص الحق وھوا خیر الفصلین (انعام پ٧)

ترجمہ : تو کہہ کہ میرے پاس شہادت ہے میرے رب کی جانب سے اور تم نے اس کو جھٹلایا میرے پاس وہ چیز نہیں کہ جس کو جلدی چاہئے فیصلہ اللہ ہی کے واسطے ہے کہ وہ حق کہتا ہے اور جملہ فیصلہ کنندگان میں بہتر

ہے۔

ان ربک لیحکم بینھم یوم القیمته فیما
کانو فیه یختلفون (نحل پ ۱۴)

ترجمہ : تیرا رب البتہ ان کے درمیان بروز قیامت فیصلہ کرے گا اس چیز میں کہ وہ مختلف تھے۔

الملک یومیذ لله یحکم بینھم فالذین امنو
وعملوا الصلحت فی جنت نعیم

ترجمہ : ملک آج کے دن اللہ کے واسطے ہے وہ فیصلہ کرے گا ان میں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال نیک کیے وہ جنت میں ہوں گے۔

(حج پ ۱۷)

الله یحکم بینکم یوم القیمته فیما کنتم فیه
یختلفون (حج پ ۱۷)

ترجمہ : اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔

اذا دعو الی الله ورسوله لیحکم بینھم اذا
فریق منھم معرضون (نور پ ۱۸)

ترجمہ : جس وقت وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں فیصلہ کرنے کو پس بعض فریق اعراض کرنے والے ہوں گے۔

ساء ما یحکمون (عنکبوت پ ۲۰) فما لکم
کیف تحکمون (صفت پ ۲۳)

ترجمہ : جو وہ فیصلہ کرتے وہ برا ہے تم کو کیا ہو گیا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی
(ص پ ۲۳)

ترجمہ : فیصلہ کرو لوگوں میں حق کے ساتھ اور خواہش نفسانی کا اتباع مت کرو۔

ان الله یحکم بینھم فیما ھم فیه یختلفون
(زمر پ ۲۳)

ترجمہ : جس چیز میں وہ اختلاف کرتے ہیں اس میں یقیناً" اللہ فیصلہ کرے گا۔
ہم نے لفظ "اولو" کے معنی جان لئے اور لفظ "امر" کے بھی مختلف معنی معلوم کر لئے اور یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ "امر" زیادہ دو معنوں میں قرآن مجید میں آیا ہے اول کا رو عمل اور اس سے زیادہ امر مقابل نہی میں استعمل ہوا ہے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ "امر" اور "حکم" میں بڑا فرق ہے اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ اس آیت اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم میں "اولی الامر" کن معنی میں آیا ہے۔ چونکہ جو مفسرین اور فقہاء امرا اور بادشاہان اسلام اور صاحبان حکومت کو واجب الاطاعت جانتے ہیں وہ بھی لفظ "امر" سے مراد شے' نفع' عذاب اور کار نہیں لیتے لہٰذا اس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ اب رہے معنی "حکومت" "شان" اور "حکم" کے تو یہی معنی اہل علم کو شبہ میں ڈالتے ہیں اور اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ جو "امیر" مسلمان صاحب حکومت ہو وہ واجب الاطاعت ہے کیونکہ آیت صاف بتا رہی ہے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اور صاحبان امر کی جو تم میں ہیں اگرچہ ان کے نزدیک اس میں تمام امرا داخل نہیں لیکن جو تمام امراء میں غالب ہو گا وہی خلیفتہ اللہ شمار کیا جائے گا اور اگر وہ کسی جنگ دنیاوی کا حکم دے جو کفار کے مقابلہ میں لڑی جائے تو جہاد شمار کی جائے گی ظاہر میں تو یہ نظریہ صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ لوگ دین و دنیا کو ایک جانتے ہیں اور اپنی خواہش نفسانی احکام ربانی قرار دیتے ہیں۔ خدا کے مقرر کردہ اور بندوں کے مقرر کردہ حکم کو ایک جانتے ہیں ایسے لوگ کلام پاک کی ان آیات کو پیش نظر نہیں رکھتے جس میں فرمایا گیا ہے کہ

"دیکھو امرا اور سلاطین صدہا ظلم کرتے ہیں ناجائز باتیں عمل میں لاتے ہیں احکام ربانی میں مداخلت کرتے ہیں اور نئی نئی توجیہات کی جاتی ہیں"

ایسے بادشاہان اسلامی حکومتوں کے ہوئے ہیں اور ہیں جو احکام ربانی کی اور شریعت نبوی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اسلام کے نام پر وہ کچھ کر بیٹھتے ہیں جو سراسر احکام خدا اور رسول کے منافی ہو۔ ان کا عمل ۔ ان کا کردار کچھ اور نام اسلام کا۔ اگر ایسے سلاطین واجب الاطاعت ہوں تو کیا شریعت نبوی باقی رہے گی۔ یزید کی مثال ہمارے سامنے ہے اس کے نافذ کردہ حکم پر جناب امام حسین علیہ السلام کا قتل جائز سمجھا جائے کیونکہ وہ بھی اولی الامر کی تعریف میں آتا ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ

کو اس نے جہاد فی سبیل اللہ ٹھہرایا۔ اس کی رعایا جس میں صدہا علماء تھے کیا ان کا یہ خیال نہ تھا تو اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا امام حسین علیہ السلام (معاذ اللہ) اولی الامر کی مخالفت کی وجہ سے خارج از ایمان ہو گئے اور "من قتل مومنا متعمدا فجزاء جهنم" کی زد میں یزید نہیں آتا۔ اور کیا امام حسین علیہ السلام مومن نہ تھے۔ لیکن عقل یہ بتاتی ہے کہ کہ امام حسین علیہ السلام بھی اولی الامر تھے کیونکہ آپ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت دی اور یہی آپ کا قصور تھا جس کی وجہ سے آپ نے یزید کی بیعت نہ کی۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یزید اولی الامر فاسق و شراب خوار اور امام حسین علیہ السلام اولی الامر جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور خود بھی اس پر عمل پیرا ہے وہ صاحب حرمت وہ صاحب عصمت و طہارت یقینا" واجب الاطاعت تھے۔ یزید با تحقیق امام حسین علیہ السلام جیسے اولوالامر کی نافرمانی کر کے اس آیت کے تحت کہ "من قتل متعمدا فجزاء جهنم" کافر ہو گیا۔ اسی طرح تاریخ ایسے بہت سے سلاطین سے بھری ہوئی ہے جن کا کردار جن کے اعمال اسلام کے منافی تھے تو کیا وہ واجب الاطاعت ہو سکتے ہیں؟ اور اگر ایسے سلاطین و حکمران واجب الاطاعت مان لئے جائیں تو پھر دین باری تعالیٰ کیونکر واجب الاطاعت ہو سکتا ہے اس لئے اگر ایسے اولی الامر کی اطاعت واجب ہو جائے' تو آیت کے حصوں میں سے پہلا حصہ یعنی اطيعو الله و اطيعو الرسول" آیت کے آخر حصہ یعنی اولی الامر منکم کے مخالف ہو گا اور اگر اطاعت صرف اللہ اور رسولؐ کی مانی جائے اور الفاظ "اولی الامر" کو چھوڑ دیا جائے تو آیت کا آخری حصہ مہمل ہو کر رہ جائے گا لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت یکجا اس لئے کی گئی ہے کہ رسول اور اولی الامر دونوں ایک ہی صفات کے حامل ہوں ان کے قول' کردار عمل' فعل اور اطاعت اللہ میں فرق نہ ہو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عامل اور ان کا ہر فعل اطاعت معبود اور احکام ربانی پر مبنی ہو۔

اب ایک اور سوال ذہن میں آتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت ان احکام اور چیزوں میں واجب ہے جو شریعت کے موافق ہیں اور جو امور خلاف شرع ہوں ان میں جائز نہیں۔ تو اس صورت میں چند اعتراضات سامنے آتے ہیں۔ اول اولی الامر کو واجب الاطاعت کہنا جب صحیح ہو گا جبکہ اس کے کل افعال کی اطاعت واجب جانی جائے اور

جس وقت اولی الامر کے ان افعال کی اطاعت کی جو شریعت کے موافق تھے اور ان احکامات یا افعال کی اطاعت نہ کی جو شریعت کے خلاف ہیں تو یہ اطاعت دراصل اولی الامر کی اطاعت نہ ہوئی بلکہ شرع کی اطاعت تصور ہو گی جو ہر مسلمان پر فرض ہے خواہ اولی الامر مانا جائے یا نہ مانا جائے۔

دوسرے اولی الامر ہونے کے لئے مسلمان کی قید لگانا خلاف عقل ہو گا کیونکہ اولی الامر ہم میں سے کافر بھی ہو سکتا ہے تو پھر یہ کہنا درست ہو گا کہ اگر وہ ناجائز خلاف شرع امور کا حکم دے تو اس میں اطاعت نہ کرنا چاہئے اور باقی امور جو شرع کے مطابق ہوں اس کی اطاعت جائز تصور ہو گی۔

تیسرے یہ کہ جائز اور ناجائز کی قید وہی حضرات لگا سکتے ہیں جو اولی الامر سے مراد مسلمان بادشاہ لیتے ہیں لفظ "اولی الامر" میں نہ مسلمان کی نہ غیر مسلم کی۔ نہ اطاعت جائز کی نہ اطاعت ناجائز کی کوئی قید ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح لفظ " اولی الامر" ہے اسی طرح اس کی اطاعت بھی کلیتا" واجب ہے۔

بادشاہ و سلاطین پر خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، سلطنت کی مصلحتوں اور سیاسی ریشہ دوانیوں اور انتظامی امور کے لئے لازم آتا ہے کہ وہ ایسے احکامات صادر کریں جن سے ان کا تخت محفوظ رہے ان کا رعایا پر حکم چلتا رہے خواہ وہ فرائض پورے ہوں یا نہ ہوں جو اسلام کے مطابق رعایا کے لئے ان پر عائد ہوتے ہیں۔ لیکن کوئی ان کے حکم سے سرتابی نہ کرے چاہے ان کے احکام قرآن و شریعت کے موافق ہوں یا نہ ہوں لیکن قابل پابندی ہوں گے۔ جب ایسا ہو گا تو رعایا جو شریعت اور مذہب کی پابند ہو گی تو سرتاب رہے گی جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے گا۔

یہی وجوہات ہیں جو سینکڑوں فقہی مسائل میں اختلاف ہو گیا ار مسلمان بادشاہوں اور سلاطین کی اطاعت کو اولی الامر کی اطاعت واجب جان کر مسلمان نہ رہے۔

اس بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس آیت میں لفظ "امر" کے معنی منزلت شان یا حکم کے نہیں ہیں بلکہ اس کے معنی وہ ہوں گے جس کو عقل قبول کرے۔ وہ معنی ہوں گے جس سے شریعت نبوی مستحکم ہو وہ معنی لئے جائیں گے جس کو قرآن بتا رہا ہے یعنی "الامر" میں "الف" اور "لام" عہد کا ہے جو خاص "امر" پر دلالت کرتا ہے یعنی "امر خاص" اور وہ وہ امر ہے۔ جو آیات قرآنی میں "نہی" کے مقابل خدا نے فرمایا

ہے جیسے :۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان پس اب اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ "اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اس کے رسولؐ کی اور ان لوگوں کی جو خدا کے اوامر کے حامل ہیں" اور وہ وہ لوگ ہیں جن کا مرتبہ بعد نبی ہے اور جن کو پیغمبر نے بحکم خدا اپنا نائب بنایا اور خدا نے ان کی شان میں وجعلنھم ائمتہ یھدون بامرنا فرمایا۔ نبی حامل وحی ہوتا ہے اور لوگ اس کے مددگار۔ احکام ربانی کے جاری کرنے میں ان کی وہی مصلحت ہوتی ہے جو پیغمبرؐ اور خدا کی مصلحت ہو ان کو حصول دنیا اور ذاتی غرض نہیں ہوتی بلکہ اصلاح دنیا منظور ہوتی ہے پس چونکہ ان تینوں کی اطاعت کا حکم ہے لیکن تینوں کی اطاعت کے درجات مختلف ہیں۔

وصی رسول کا تقرر

یہ امر مسلمہ ہے کہ پروردگار عالم نے اصلاح دنیا کی خاطر اور اپنا قانون نافذ کرانے کی غرض سے انبیاء و مرسلین کو اپنا نمائندہ مقرر کر کے بھیجا۔ کوئی نبی یا پیغمبر نہ تو خود سے نبی یا رسول بنتا ہے نہ کسی کے مشورہ یا جمہوری طریقہ سے اس عہدہ پر فائز ہوتا ہے بلکہ خود خدا مبعوث فرماتا ہے۔ اسی طرح ہر نبی اور رسول کا نائب یا خلیفہ یا وصی بھی خود خدا مقرر کرتا ہے تاکہ وہ نبی یا رسول کی زندگی میں اس کی مدد کرے اور بابعد اس کی حفاظت اور نفاذ شریعت کرتا رہے۔ انسانوں کے انتخاب سے کوئی شخص خلیفہ یا وصی رسول نہیں ہو سکتا جیسا کہ درج ذیل قرآن آیات سے واضح ہے :۔

وما کان لمومن ولا مومنته اذا اقضی الله و
رسو له امرا ان یکون لهم الخیرة من امرهم
ومن بعض الله و رسوله فقد ضل ضلا لا
مبینا (احزاب۔ پارہ ۲۲ ع ۵/۲)

ترجمہ : جب اللہ اور اس کے رسول کسی بات کو طے کر دیں تو پھر کسی مومن یا مومنہ کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا کہ وہ اپنے امور کے لئے کسی کا انتخاب کرے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ گمراہی میں پڑے ہیں۔ ایک جگہ اور ارشاد رب العزت ہے :۔

وربک یخلق من یشاء ویختار ما کان لهم
الخیرة سبحان الله و تعالٰی عما یشرکون
(قصص۔ پارہ ۲۰ ع ۷/۱۰)

ترجمہ : اور اے پیغمبر تمہارا پروردگار ہی جن لوگوں کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ان میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔ انتخاب کرنا لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے یہ لوگ جو خدا کے کاموں میں شریک ہونا یا شریک کرنا چاہتے ہیں اللہ کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند ہے۔

ان آیات سے واضح ہے کہ خلیفہ یا امام یا وصی کا مقرر کرنا اہل اسلام کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ خاص خدا کا کام ہے جس میں نہ وہ کسی کو شریک کرتا ہے اور نہ کسی پر چھوڑتا ہے اب جو لوگ خدا کا اختیار اس سے چھین کر خود کسی شخص کو خلیفہ یا امام

مقرر کرتے ہیں وہ درحقیقت خدائی کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہیں۔

سابق انبیا و مرسلین اور ان کے اوصیا

خدا دنیا میں لوگوں کی ہدایت اور اصلاح معاش و معاد کے لئے ہمیشہ انبیا و مرسلین بھیجتا رہا ہے۔ ان کے بعد ان کے خلیفہ یا نائب ان کے مذہب کی حفاظت کرتے' دین پھیلاتے اور ان کی راہ کو برقرار رکھتے ہیں۔ اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ سابق انبیا و مرسلین کے بعد ان کی شریعت کو قائم رکھنے اور ان کے دین کی بقا کے لئے خدا کا کیا اصول رہا ہے۔ کیا اس نے سابق انبیا و مرسلین کی امتوں کو آزادی دے دی تھی اور اس امر میں مختار کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے میں سے جس شخص کو چاہیں اپنا مذہبی پیشوار اپنے رسول کا خلیفہ' وصی' نائب' قائم مقام یا اولی الامر مقرر کرلیں یا خدا نے خود ہی ہر نبی یا رسول کا خلیفہ بھی خود مقرر کر کے اس نبی یا رسول سے اس کا اعلان کرا دیا تھا۔ کیا حضرت رسولؐ خدا کی حیثیت ایک دنیوی بادشاہ کی سی تھی۔ یا حضرت کا مقصود کوئی حکومت یا سلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا۔ ان میں انسانی خوبیاں پیدا کرنا ان کو روحانی کمالات سے آراستہ کرنا اور ان کو مذہب حق کا پابند کرنا تھا۔ ظاہر کہ حضورؐ کسی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھ رہے تھے۔ اس لئے جب نبی یا رسول منجانب خدا ہوتا ہے تو اسس کا نائب۔ وصی۔ خلیفہ یا اولی الامر بھی منجانب اللہ مقرر ہو گا قرآن مجید کی بکثرت آیات سے یہ ثابت ہے کہ جس طرح پیغمبروں کا بھیجنا خدا کا کام ہے اسی طرح ان کے قائم مقام' جانشین' وصی' خلیفہ' امام یا اولی الامر کا مقرر کرنا بھی صرف اور صرف خدا ہی کے اختیار میں ہے۔ پیغمبروں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :۔

ربنا وابعث فیھم رسولا (پارہ ۱ ع ۱۵)

ترجمہ : اے پالنے والے تو ان لوگوں میں کوئی رسول بھیج۔

کما ارسلنا فیکم رسول منکم (پ ۲ ع ۲)

ترجمہ : جس طرح ہم نے تم میں سے ایک رسول بھیجا۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم (پ ۴ ع ۸)

ترجمہ : یقیناً اللہ نے مومنین پر احسان کیا کہ ان کے درمیان ایک رسول انہیں لوگوں سے بھیجا۔

ان آیات سے رسول کا منجانب خدا بھیجا جانا ثابت ہے خلیفہ کے بارے میں بھی خدا کا یہی اصول ہے۔ مثلاً :۔

واذ قال ربک للملئکته انی جاعل فی الارض خلیفه(پ۱ ع۴)

ترجمہ : اے پیغمبر لوگوں سے اس وقت کا ذکر کرو جب تمہارے پالنے والے نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں۔

یا داؤدانا جعلناک خلیفه فی الارض
(پ ۲۳ ع ۱۱)

ترجمہ : اے داؤد ہم ہی نے تم کو زمین میں اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے۔

ان آیات سے بھی ثابت ہے کہ خلیفہ کے تقرر کا اختیار بھی خدا کو حاصل ہے۔ خدا نے کسی فرشتہ سے یہ نہیں کہا کہ تم لوگ اپنے انتخاب یا پنچایت یا اجماع سے کسی کو خلیفہ مقرر کر لو۔ نہ ہی یہ فرمایا کہ زمین کے رہنے والوں کو اختیار دیتا ہوں کہ جس شخص کو چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کر لیں بلکہ فرماتا ہے کہ زمین پر خلیفہ میں ہی مقرر کرتا ہوں۔ خدا امام کے بارے میں فرماتا ہے۔

والذین یقولون ربنا هب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرة اعین واجعلنا للمتقین اماما
(پ ۱۹ ع ۴)

ترجمہ : یعنی وہ لوگ جو دعا کرتے ہیں کہ اے پالنے والے ہم کو ہماری ازواج و اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عنایت فرما اور ہم کو پرہیز گاروں کا امام بنا۔

وجعلنا هم ائمته یهدون بامرنا (پ ۱۷ ع ۵)

ترجمہ : اور ہم ہی نے ان لوگوں کو امام مقرر کیا کہ ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے۔

الله یجتبی الله من یشاء

(پ ۳ ع ۹ - پ ۲۵ ع ۳)

ترجمہ : اللہ ہی جن کا چاہتا ہے انتخاب فرمالیتا ہے۔

ویرید ان نمن علی اللذین استضعفوا فی
الارض و نجعلھم ائمتہ و نجعلھم الوارثین
(پ ۲۰ ع ۱۴)

ترجمہ : ہمارا ارادہ رہتا ہے کہ جو لوگ اس زمین میں کمزور سمجھے گئے ان پر
احسان کریں ان کو امام بنائیں اور ان کو وارث قرار دیں۔

وجعلنا منھم ائمتہ یھدون بامرنا لما صبروا
کانو با یاتنا یوقنون(پ ۲۱ ع ۱۱)

ترجمہ : اور ہم ہی نے ان میں سے کچھ لوگوں کو امام بنایا جو ہمارے حکم سے
لوگوں کو ہدایت کرتے تھے اور یہ منصب امامت ان کو اس وقت ملا جبکہ
وہ دشمنان خدا کے مظالم پر صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین کئے
رہے۔

ولقد اتینا موسی الکتاب وجعلنا معہ
اخاہ ھارون وزیرا (پ ۱۹ ع ۲)

ترجمہ : البتہ ہم ہی نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور ہم ہی نے ان کے بھائی ھارون
کو ان کا وزیر بنایا۔

واذا بتلٰی ابراہیم ربہ بکلمات فاتمھن
قالوا انی جاعلک للناس اماما قال من
ذریتی قال لا ینال عھدی الظالمین
(پ ۱ ع ۱۵)

ترجمہ : جب ابراہیم کو پالنے والے نے چند باتوں میں آزمایا اور انھوں نے ان
سب باتوں کو پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا
حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے۔ خدا نے فرمایا ہاں
مگر میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں مل سکتا۔

ان آیات سے یہ ثابت ہے کہ امام کا تقرر کسی پنچایت یا شوریٰ سے نہیں ہوا بلکہ

خود خدا ہی نے کیا حضرت ابراہیمؑ تک کو یہ اختیار نہیں ملا کہ اپنی اولاد میں سے کسی کو امام بنا سکیں بلکہ اس کے لئے بھی آپ نے خدا سے دعا کی۔ حضرت رسول خداؐ کے خلفا کے بارے میں پروردگار عالم نے اس طرح تصریح فرمائی ہے۔

وعد الله الذين امنو منكم وعملو
الصالحات يستخلفنهم فى الارض كما
استخلف الذين من قبلهم (پ ۱۸ ع ۱۳)

ترجمہ : تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اعمال خیر بجا لاتے رہے ان کے بارے میں خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین میں اس طرح خلیفہ بنائے گا جس طرح ان لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے گزر گئے ہیں۔

اب ہم معتبر تاریخی ذخیروں سے یہ تحقیق پیش کرتے ہیں کہ سابق انبیا و مرسلین کے خلیفہ یا وصی بھی ان کی امت کے انتخاب یا اجماع یا شوریٰ کرنے سے مقرر کئے جاتے تھے یا ان کو بھی خدا ہی مقرر کرتا رہا ہے اور ان انبیا و مرسلین ہی سے اس کا اعلان کرا دیتا تھا۔ ہم اختصار کی خاطر اصل عربی متن کے بجائے صرف اردو ترجمہ پر انحصار کرتے ہیں۔

۱۔ جب حضرت آدمؑ کی وفات کا وقت پہونچا تو اپنے فرزند جناب شیث کو بہ احکام خدا ولی عہد کر دیا۔ (طبری جلد ۱ صفحہ ۷۶)

۲۔ حضرت آدمؑ نے انتقال کے وقت اپنے فرزند جناب شیث کو اپنا وصی مقرر کیا اور اس کو وصیت نامہ لکھ کر ان کے حوالہ کر دیا (طبری جلد ۱ صفحہ ۷۹)

۳۔ حضرت شیث جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو اپنے فرزند جناب انوش کو اپنا وصی مقرر کیا اور انتقال کر گئے۔ (طبری صفحہ ۸۱)

۴۔ جناب انوش نے اپنے فرزند قینان کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۵۔ جناب قینان نے اپنے فرزند مہلائیل کو اپنا وصی مقرر کیا۔

۶۔ جناب مہلائیل کے یردیایار اور دوسرے لڑکے ہوئے تو جناب مہلائیل نے یردیایار کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ صفحہ ۸۳)

۷۔ جناب یریار نے اپنے فرزند خنوخ یعنی حضرت ادریس کو اپنا وصی مقرر کیا (تاریخ کامل جلد ۱ صفحہ ۲)

۸۔ حضرت ادریسؑ کے فرزند جناب متو شلخ کے وصی ہوئے (طبری جلد ا صفحہ ۸۲)
۹۔ جب جناب متو شلخ کی وفات قریب ہوئی تو اپنے دین پر لمک کو اپنا خلیفہ مقرر کیا اور انہیں کو اپنا وصی بنایا جس طرح آپ کے آباؤ اجداد بھی خود اپنا وصی مقرر کرتے تھے۔ (طبری جلد ا صفحہ ۸۷۔ کامل جلد ا صفحہ ۲۰)
۱۰۔ حضرت نوحؑ نے انتقال کے وقت اپنے بیٹے سام کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (کامل جلد ا صفحہ ۲۹)
۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحٰق کو ملک شام میں اپنا ولی عہد اور خلیفہ مقرر کیا۔ (روضتہ الصفا جلد ا صفحہ ۸۵)
۱۲۔ جب حضرت اسمٰعیل کی وفات کا وقت قریب آیا تو اپنے بھائی جناب اسحٰق کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ا صفحہ ۱۴۲)
۱۳۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے اپنی زندگی کے آخری حصہ میں (دوسرے مقام) پر قیدار کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔ (روضتہ الصفا جلد ا صفحہ ۶۱)
۱۴۔ حضرت اسحٰقؑ نے اپنے فرزند حضرت یعقوبؑ کو اپنا ولی عہد مقرر کیا۔ (روضتہ الصفا جلد ا صفحہ ۴۲۔ ۴۳)
۱۵۔ حضرت یعقوبؑ نے بھی اپنے فرزند حضرت یوسفؑ کو (بحکم خدا) اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (روضتہ الصفا جلد ا صفحہ ۹۴۔ طبری جلد ا صفحہ ۱۷۲)
۱۶۔ حضرت یوسفؑ نے انتقال کے وقت اپنے بھائی یہودا کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (طبری جلد ا۔ صفحہ ۱۷۲)
۱۷۔ حضرت ایوبؑ نے بھی اپنی وفات کے قریب اپنے فرزند حومل کو اپنا وصی اور ولی عہد مقرر کیا۔ (طبری جلد ا صفحہ ۱۴۷۔ کامل جلد ا صفحہ ۴۷)
۱۸۔ حضرت ایوبؑ کے بعد آپ کے فرزند "بشر" کو ان کا قائم مقام کیا اور انہوں نے اپنے فرزند عبدان کو اپنا وصی مقرر کیا۔ (طبری جلد ا صفحہ ۱۴۷۔ کامل جلد ا صفحہ ۴۷)
۱۹۔ حضرت موسیٰؑ نے جناب ہارون کو بلا کر اپنی امامت و خلافت کا عہدہ سپرد کر دیا۔ (روضتہ الصفا جلد ا صفحہ ۱۲۰) حضرت موسیٰؑ رخصت ہو گئے اور جناب ہارون کو قوم بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ مقرر کر دیا (طبری جلد ا صفحہ ۲۱۸۔ کامل جلد ا۔ صفحہ ۶۵) مگر چونکہ جناب ہارون کا انتقال حضرت موسیٰؑ کے سامنے ہی ہو گیا تھا اس سبب سے پھر حضرت

موسیٰؑ نے جناب یوشع بن نون کو اپنے انتقال سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر کر دیا۔ (روضتہ الصفا جلد ۱ صفحہ ۲۸)

۲۰۔ پھر جناب یوشع کو خدا دنیا سے اٹھانے لگا تو بنی اسرائیل پر کالب بن یوقنا کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے۔ (طبری جلد ۱ صفحہ ۲۳۷۔ کامل جلد ۱ صفحہ ۷۰۔ روضتہ الصفا جلد ۱ صفحہ ۳۵)

۲۱۔ جناب کالب نے بھی اپنے فرزند یوسا قوس کو خلافت سپرد کر کے دنیا سے انتقال کیا۔ (روضتہ الصفا جلد ۱ صفحہ ۳۵)

۲۲۔ جناب الیاس پیغمبر نے بھی وحی خدا کے مطابق مرتے وقت اپنی خلافت الیسع کو سپرد کر دی۔ (روضتہ الصفا جلد ۱ صفحہ ۳۸)

۲۳۔ جناب الیسع کو یقین ہو گیا کہ اب موت سے ان کی جان بری نہیں ہو سکتی۔ تو ذی الکفل کو طلب کیا خلافت ان کے حوالہ کی اور اپنی روح خدا کے سپرد کر دی۔ (روضتہ الصفا جلد ۱۔ صفحہ ۴۰)

۲۴۔ جناب شعیا کے بعد بنی اسرائیل پر یاشیہ ابن اموس کو ان کا خلیفہ مقرر کیا۔ (طبری جلد ۱ صفحہ ۲۸۵)

۲۵۔ حضرت داؤد نے بھی اپنے فرزند سلیمانؑ کو اپنا وصی اور خلیفہ مقرر کیا۔ (کامل جلد ۱ صفحہ ۷۷) جب حضرت داؤد نے انتقال کیا تو آپ کے فرزند حضرت سلیمانؑ جناب داؤدؑ کی سلطنت اور علم نبوت کے وارث ہوئے آپ کے ۱۹ فرزند تھے مگر وارث صرف حضرت سلیمان ہوئے۔ (کامل جلد ۱ صفحہ ۷۸)

۲۶۔ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنا خلیفہ خود ہی مقرر فرمایا۔ حضرت عیسیٰؑ کی وصیتوں سے ایک یہ بھی تھی کہ خدا نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ شمعون کو تم لوگوں پر اپنا خلیفہ مقرر کروں اور حواریوں نے ان کی خلافت قبول کر لی۔ (روضتہ الصفا جلد ۱ صفحہ ۱۸۴)

جانشین مصطفیٰؐ

ہم نے دیکھا کہ حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک جس قدر انبیاء و مرسلین گزرے وہ بغیر اپنا خلیفہ مقرر کئے ہوئے دنیا سے نہیں گئے نہ ہی کسی نبی یا رسول کے

متعلق یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی وفات پر ان کی امت نے اجماع یا شوریٰ سے کسی کو اپنا امام یا خلیفہ یا اولی الامر بنایا ہو تو اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت رسولؐ خدا بغیر اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کئے ہوئے اس دنیا سے کیوں چلے گئے۔ اگر سابق انبیا کا اپنے خلفاء کو مقرر کرنا خدا کا فعل مانا جائے اور یقین کیا جائے کہ ان سب کو درحقیقت خدا نے مقرر کیا اور ان پیغمبروں نے صرف ان کی خلافت کا اعلان کر دیا تو اس صورت میں خدا پر بھی (معاذ اللہ) حرف آتا ہے کہ جب اس نے حضرت آدمؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک کل انبیاء و مرسلین کے خلفا کو خود مقرر کیا تو حضرت رسولؐ خدا کے بارے میں اس کے خلاف کیوں کیا۔ حالانکہ اس کے اصول بدلتے نہیں۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ سابق انبیاء و مرسلین کے خلفاء کو خدا نے مقرر نہیں کیا نہ اس نے اپنے پیغمبروں سے اس کا اعلان کرایا بلکہ خود انبیاء و مرسلین ہی نے اپنا خلیفہ تجویز کر کے اپنی زندگی میں مقرر کر دیا اور اس کا اعلان کر دیا تو اس صورت میں حضرت رسول خداؐ (معاذ اللہ) مورد الزام قرار پاتے ہیں کہ آپ نے اس ضروری فریضہ کو کیوں ترک فرمایا دیا۔ حالانکہ خدا نے آپ کو حکم دیا تھا کہ :۔

اولٰئک الذین ھدی اللہ فبھدا ھم اقتدہ (پ ۷ انعام ع ۱۰)

ترجمہ : گزشتہ انبیاء و مرسلین وہ تھے جن کی اللہ نے ہدایت کر دی تھی اب اے پیغمبرؐ ان ہی کے طریقہ کی پیروی تم بھی کرو۔

ان تمام وجوہ سے ماننا پڑے گا کہ حضرت رسولؐ خدا کی خلافت کو بھی خدا یا رسولؐ نے مسلمانوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنے انتخاب یا شوریٰ سے جس کو چاہیں رسولؐ کا خلیفہ یا جانشین بنا لیں بلکہ سابق انبیا و مرسلین کی طرح خدا نے آپ کے خلیفہ کو بھی آپ کی زندگی ہی میں تجویز کر کے آپ سے اعلان کرا دیا اور بار بار اس کی تاکید فرماتا رہا ہے۔ کتب معتبر اس امر کی تصدیق کرتی ہیں کہ جب ۳ھ بعثت میں خدا کا یہ حکم نازل ہوا کہ :۔

وانذر عشرتک الاقربین (سورہ شعراء ع ۱۵/۱۱)

ترجمہ : اے رسول اپنے قرابتداروں کو ڈراؤ

تو حضرت رسول خداؐ نے دعوت کا سامان کیا اور لوگوں کو جمع کر کے فرمایا :۔

"بھائیو خدا کی قسم میں عرب کے کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس وہ چیز لایا ہو جو میرے لائے ہوئے امر سے جو میں تمہارے پاس لایا ہوں افضل ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم لوگوں کو اسی دین کی طرف بلاؤں۔ اب بتاؤ تم میں سے کون شخص اس کام میں میرا ہاتھ بٹائے گا تاکہ وہی میرا بھائی میرا وصی (قائم مقام) اور (اسی وقت سے) میرا خلیفہ مقرر کر دیا جائے۔ آنحضرتؐ کی اس تقریر کا کسی شخص نے کچھ جواب نہیں دیا مگر حضرت علیؑ نے باوجودیکہ عمر میں سب سے چھوٹے تھے عرض کی اے رسول خداؐ اس خدمت کے لئے میں حاضر ہوں اور حضورؐ کی وزارت میں کروں گا اس پر حضرتؐ نے حضرت علیؑ کی گردن پکڑ کر فرمایا کہ یاد رکھو یہی علیؑ میرے بھائی میرے وصی اور تم لوگوں میں میرے خلیفہ ہیں تم سب لوگ ان کا حکم ماننتے اور ان کی اطاعت کرتے رہنا۔ (طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۹) (کامل جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۱۹۔ حبیب السیر جلد ۱ صفحہ ۳۔ معالم التنزیل صفحہ ۲۴۳۔ خازن جلد ۳ صفحہ ۳۷۲۔ مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۳) حضرت علیؑ کی اس آمادگی پر حضرت رسول خداؐ نے فرمایا۔ اچھا اب تم ہی میرے بھائی میرے وزیر۔ میرے وصی۔ میرے وارث اور میرے بعد میرے خلیفہ مقرر کر دیئے گئے۔ (سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶)

اس طرح خدا اور رسولؐ نے ابتدائے اسلام ہی میں خلافت کے مسئلہ کو واضح طریقہ سے طے کر کے اعلان خلافت کر دیا تھا اور آپ کے انتقال تک کسی موقع پر بھی آپ کی خلافت منسوخ نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنی تمام زندگی میں ہر موقع پر حضرت علیؑ کو ہی اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ جب آپ کا دنیا سے جانے کا وقت قریب آنے لگا تو پروردگار عالم نے حکم دیا۔

فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (پ ۳۰ ع ۱/۱۹)

ترجمہ : (اے محمدؐ) اب کہ تم تمام تر احکام الٰہی کی تبلیغ سے فارغ ہو گئے۔ تو اپنی جگہ مقرر اور نصب کر دو اس کے بعد اپنے پروردگار کی طرف چلے آؤ۔

حضرت نے اس حکم کی تعمیل حجتہ الوداع سے واپسی پر پروردگار عالم کے اس تاکیدی حکم پر کہ :

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک
وان لم تفعل فما بلغت رسالته (پ۶ ع ۱۴)

ترجمہ : اے رسولؐ جو (خاص) حکم تم پر نازل کیا گیا اس کو پہونچا دو اگر تم نے
اس کو نہیں پہونچایا تو تم نے خدا کا کوئی حکم نہیں پہونچایا۔

اس حکم کی تعمیل میں آنحضرتؐ نے مقام غدیر خم میں مجمع کثیر کے سامنے حضرت علیؑ کو منبر پر لے جا کر فرمایا۔

"اے مسلمانو جس شخص کا میں مولا ہوں اس کے مولا علیؑ بھی ہیں"

اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

"اے فرزند ابو طالب آپ کو مبارک ہو کہ آپ ہر مومن اور مومنہ کے مولا ہو گئے" (ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹)

ہم نے دیکھا کہ ہر نبی نے اپنے نائب کا اعلان بحکم خدا فرمایا تاکہ اس کی زندگی میں اس کے مشن کو پورا کرنے میں مدد کر سکے اور اس کے بعد اس کے دین اور شریعت کا تحفظ کر سکے۔ اولی الامر یا نائب وہی مقرر کیا گیا جس کے افعال و احکام نبی اور رسول کے افعال اور احکام کے مطابق ہوں۔ ان میں کوئی تضاد کبھی اور کسی وقت نہ پیدا ہو یہ جاننے کے لئے کہ نائب یا اولی الامر میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا جناب موسیٰؑ اور ان کے اولی الامر جناب ہارونؑ کا قصہ کلام پاک میں تفصیل سے درج ہے۔ جناب موسیٰؑ کی غیبت میں جناب ہارون اولی الامر تھے اور انہوں نے حکم فرمایا کہ تم میرے امر کی اطاعت کرو۔ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری (سورۃ طٰہٰ) بنی اسرائیل نے اولی الامر سے نزاع کیا جو فطری تھا اسی واسطے پروردگار عالم نے فرمایا کہ اگر اولی الامر کی بات میں نزاع کرو تو تشفی کے واسطے اللہ اور رسول کے حکم سے اس کے امر کو ملا لو۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نبی اولی الامر وہ شخص ہو جو مثل رسول خدا کی طرف سے مقرر کیا جائے تاکہ اس کی اطاعت بعینہ خدا اور رسول کی اطاعت ہو اور جن میں یہ اوصاف ہوں گے بجز ان کے کوئی اولی الامر نہ ہوگا سورۃ نساء کی یہ آیت کہ:۔

ولو ردوه الی الرسول والی اولی الامر منهم
لعلمه الذین یستنبطونه منهم

ترجمہ : جو چیز کہ سنی گئی تھی اگر اس کو رسول اور اولیٰ الامر کے سامنے پیش کرتے تو ان لوگوں کو معلوم ہو جاتا۔

اس آیت میں یقیناً" اولی الامر سے مراد امرائے اسلام نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جو نبی کا کام کر سکتے ہیں احکام الہی اور اخبار ربانی سنا سکتے ہیں۔ مفسرین اہل سنت کے مطابق یہ آیت اطیعو اللہ واطیعو الرسول والوالا مر منکم سے مراد فقط عبد اللہ بن حذافہ ابن عدی ہیں۔ جناب رسول خداؐ نے ان کو سریہ میں بھیجا تھا لوگوں نے ان کی اطاعت سے انکار کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور شیعوں کے نزدیک الوالامر بارہ ہیں جن کی اطاعت واجب۔ پس دونوں فرقوں کے مطابق اولی الامر سے مراد عام امیر اہل اسلام نہیں۔ کیونکہ بروایت اہل سنت سوائے عبداللہ ابن حذافہ اور کوئی مراد نہ ہو گا۔ کیونکہ نبی اور وصی کی غرض اعلائے کلمتہ الحق اور اجرائے دین ہوتا ہے نہ سلطنت گیری اور نہ دنیاوی حکومت۔ اب رہا یہ سوال کہ رسولؐ کی حدیث کے مواقف میرے بعد بارہ خلفا قریش میں سے ہوں گے تو اس کی سند کتب معتبرہ فریقین میں موجود ہے۔

لا یزال الدین قائما حتٰی تقوم الساعته
ویکون علیهم اثنا عشر خلیفته کلهم من
قریش

ترجمہ : پیغمبر اسلام نے فرمایا کہ یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت قائم ہو اور بارہ خلیفہ ہو جائیں جو سب کے سب قریش سے ہوں گے۔

کہیں ایسا تحریر ہے کہ یہ میرے بعد بارہ امام ہوں گے کبھی یہ کہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے مواقف بارہ خلیفہ ہوں گے۔ کبھی یہ کہ دین بارہ خلفا تک باعزت باقی رہے گا۔ جب سب قریش ہوں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی روایت سے یہ حدیث یوں بیان کی جاتی ہے کہ

الائمته من قریش

ترجمہ : امام قریش سے ہوں گے۔

صفات و فضیلت امام

خلافت الہیہ کے پہلے تاجدار حضرت آدمؑ تھے اور جو منصب امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا اور جو بلحاظ محل و مقام بہت بلند ہے اور اپنی طرف غیر کے آنے سے مانع ہے جیسا کہ خلیل اللہ کے اس سوال کے جواب سے واضح ہے کہ "ظالم میرے عہد کو نہ پا سکیں گے" یعنی یہ منصب امامت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ظالموں کے لئے باطل کر دیا۔ صفات و فضیلت امام کے سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ (اصول کافی صفحہ ۲۲۸ تا ۲۳۰)

"اور پھر جناب ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا اس طرح کہ ان کی اولاد میں معصوم و صاحب طہارت لوگ پیدا کئے اور فرمایا ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق و یعقوب عطا کئے جیسا کہ انہوں نے طلب کیا اور ان کو صالح بنایا کہ وہ ہمارے امر کی ہدایت کرتے ہیں اور ہم نے ان کی طرف نیک کاموں کی۔ نماز کو قائم کرنے کی اور زکوۃ دینے کی وحی کی پس عہد امامت ان کی ذریت میں بطور میراث ایک دوسرے کی طرف چلا صدیوں تک یہاں تک کہ پھر اس کے وارث نبی صلعم ہوئے جیسا کہ فرمایا ہے تمام لوگوں میں بہتر وہ ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ کا اتباع کیا اور یہ نبی اور جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا ولی ہے پس یہ چیز آنحضرتؐ کے لئے مخصوص ہو گئی پھر یہ عہدہ مخصوصہ ہوا علیؑ سے بامر خدا اس رسم کی بنا پر جو اللہ نے فرض کی ہے پس ان کی اولاد میں وہ اصفیاء ہوئے جن کو اللہ نے علم و ایمان دیا جیسا کہ فرماتا ہے وہ وہ ہیں جن کو علم و ایمان دیا گیا ہے اور روز قیامت ان سے کہا جائے گا تم کتاب خدا کے ساتھ رہے روز قیامت تک کیونکہ محمد مصطفیٰؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ پس اس صورت میں ان جاہلوں کو امام بنانے کا حق کہاں سے حاصل ہو گیا امامت منزلت انبیا میں اور میراث اوصیا میں امامت اللہ کی خلافت ہے اور رسول کی جانشینی ہے اور مقام امیرالمومنین ہے اور میراث حسن و حسین علیہم السلام ہے۔ امامت زمام دین ہے اور نظام مسلمین ہے اور اس سے امور دنیا کی درستی اور مومنین کی عزت ہے امامت ترقی کرنے والے اسلام کا سر ہے ...... امام حلال کرتا ہے حلال خدا کو اور حرام کرتا ہے حرام خدا کو اور قائم کرتا ہے حدود خدا کو ...... وہ خدا کی پوری پوری حجت ہے

.... امام خدا کا امین ہے اس کی مخلوق میں۔ اور اس کی حجت ہے اس کے بندوں پر اور خدا کا خلیفہ ہے شہروں میں .... امام گناہوں سے پاک ہوتا ہے جملہ عیوب سے بری وہ علم سے مخصوص اور حلم سے موسوم وہ دین کے نظام کو درست کرنے والا ہے مسلمانوں کی عزت ہے منافقوں کے لئے غیظ و غضب اور کافروں کے لئے ہلاکت .... امام اپنے زمانہ میں واحد و یگانہ ہوتا ہے .... ہر قسم کی فضیلت سے مخصوص ہوتا ہے۔ یہ اختصاص اس کے لئے خدا کی طرف سے ہوتا ہے پس کون ہے کہ معرفت تامہ امام حاصل کر سکے یا امام بنانا اس کے اختیار میں ہو .... در آن حالیکہ امام کا مرتبہ ثریا ستارہ سے بلند ہے پکڑنے والا اس مرتبہ کو کیسے پکڑ سکتا ہے اور وصف بیان کرنے والا کیونکر اس کا وصف بیان کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں امام سازی بندوں کا اختیار کیا اور عقلوں کی رسائی اس بارہ میں کہاں اور امامت جیسی چیز اور کون سی ہے۔ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ یہ امامت آل رسولؐ کے غیر میں پائی جاتی ہے واللہ لوگوں کے نفسوں نے ان کو جھٹلایا ہے .... انہوں نے امام بنانے کا ارادہ کیا اپنی تباہ کرنے والی عقلوں سے اور گمراہ کرنے والی رائوں سے ان کا بعد بڑھتا گیا خدا ان کو ہلاک کرے .... شیطان نے ان کے اعمال کو ان کی نگاہوں میں زینت دے دی اور ان کو صحیح راستہ سے ہٹا دیا اور وہ صاحبان عقل تھے انہوں نے نفرت کی انتخاب خدا و انتخاب رسول اور اہلبیت رسول سے اور اپنے انتخاب کو پسند کیا حالانکہ قرآن پکار پکار کے کہہ رہا ہے۔ "تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے لوگوں کو اس میں دخل نہیں لائق تسبیح ہے اللہ اور شرک سے پاک ہے" اور خدا فرماتا ہے "جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی امر کو طے فرما دیں تو کسی مومن اور مومنہ کو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار حاصل نہیں" اور اللہ نے فرمایا "تمہیں کیا ہو گیا ہے تم خود کیسا حکم لگاتے ہو" آیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کوئی اور کتاب ہے جس کا تم درس لیتے ہو۔ کیا تمہارے لئے کوئی ایسی چیز ہے جس کی تم خبر دیتے ہو یا تمہارا ہم سے روز قیامت تک کے لئے کوئی معاہدہ ہے کہ تم اس کے متعلق حکم کرتے ہو۔ اے رسولؐ تم ان سے پوچھو کہ کون ان میں ان عہدوں کا ضامن ہے کیا ان کے لئے خدا کے شریک ہیں پس اگر تم سچے ہو تو اپنے ان شریکوں کو بلاؤ فرمایا "کیا یہ لوگ آیات قرآنی میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر تالے پڑے ہوئے ہیں یا ان کے دلوں پر

مہر لگی ہوئی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے خدا کے نزدیک روئے زمین پر بدترین چلنے والے گونگے بہرے ہیں جو سمجھتے ہی نہیں۔ اگر اللہ جانتا کہ ان میں کوئی بہتری ہے تو وہ ضرور ان کو سناتا لیکن اگر وہ سنتے تو البتہ روگردانی کر کے بھاگ جاتے۔"

اوصاف امام فرماتے ہوئے امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے :۔ "یا انہوں نے کہا ہم نے سنا اور نافرمانی کی بلکہ یہ تو خدا کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے پس اس صورت میں امام کے متعلق ان کا اختیار کیسا؟ امام عالم ہوتا ہے کسی چیز سے جاہل نہیں۔ امور دین کی رعایت کرنے والا ہوتا ہے اور توقف نہیں کرتا۔ معدن قدس و طہارت ہوتا ہے۔ صاحب عبادت و زہد ہوتا ہے صاحب علم و عبادت ہوتا ہے۔ دعائے رسول سے مخصوص ہوتا ہے نسل سیدہ طاہرہ معصومہ سے ہوتا ہے۔ اس کے نسب میں کھوٹ نہیں ہوتا۔ کوئی شرافت نسب میں اس کی برابر نہیں ہوتا۔ وہ خاندان قریش سے ہوتا ہے اور خاندان بنی ہاشم میں سب سے بلند مرتبہ۔ وہ عترت رسولؐ ہوتا ہے۔ مرضی الٰہی کا چاہنے والا ہوتا ہے۔ وہ تمام اشراف کا شرف ہوتا ہے وہ عبد مناف کی شاخ ہوتا ہے وہ علم کو ترقی دینے والا ہوتا ہے۔ وہ حلم سے پر ہوتا ہے وہ جامع شرائط امامت ہوتا ہے۔ وہ سیاست الٰہیہ کا عالم ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت لوگوں پر فرض ہوتی ہے۔ امر خدا کا قائم کرنے والا ہوتا ہے۔ خدا کے بندوں کو نصیحت کرنے والا ہوتا ہے۔ دین خدا کا نگہبان ہوتا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے پس آیا لوگ ایسا امام بنانے پر قادر ہیں کہ وہ اس کو انتخاب کر لیں اور ان صفات والے پر وہ کسی اور کو مقدم کر دیں۔ قسم ہے خانہ کعبہ کی انہوں نے کتاب خدا کو پس پشت ڈال دیا ہے گویا وہ جانتے ہی نہیں ...... اور اپنی خواہشوں کا اتباع کیا ہے ......" (اصول کافی صفحہ ۲۲۲)

آیت انا انزلنہ فی لیلتہ القدر کی تفسیر فرماتے ہوئے امام محمد تقی علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے :۔

"اگر وہ کہیں کہ خلیفہ ان کا حکم ہے تو ان لوگوں سے کہو کہ خدا فرماتا ہے اللہ ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لانے والے ہیں۔ اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے قسم ہے خدا کی زمین و آسمان میں کوئی خدا کا ولی نہیں مگر یہ کہ وہ موید من اللہ

ہے اور جو موید من اللہ ہے وہ خطا نہیں کرے گا اور روئے زمین پر کوئی خدا کا دشمن نہیں مگر ذلیل اور جو رسوا ہے اور وہ راہ ثواب پر نہیں ہو سکتا پس جس طرح امر کی تنزیل آسمان سے ضروری ہے تاکہ اس کے مطابق اہل ارض کے درمیان حکم کیا جائے اسی طرح ضروری ہے ایک ولی کا ہونا تاکہ لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم اسے نہیں پہچانتے تو کہو تم نے اسے دوست نہیں رکھا خدا کو یہ بات پسند نہیں کہ بعد محمدؐ وہ اپنے بندوں کو اس طرح چھوڑ دے کہ ان پر کوئی حجت نہ ہو .... اگر وہ کہیں حجت خدا قرآن ہے تو کیا جواب ہو گا فرمایا میں ان سے کہوں گا کہ قرآن امر و نہی کے متعلق بولنے والا نہیں بلکہ قرآن کے لئے اس کے کچھ اہل ہیں جو امر کرتے ہیں اور نہی کرتے ہیں اور میں کہوں گا یعنی اہل زمین کو ایسے کچھ مشکل سوالات کا سامنا ہوتا ہے کہ جن کا جواب احادیث میں نہیں اور کوئی حکم رسولؐ ایسا نہیں ملتا جس میں اختلاف نہ ہو اور قرآن میں بھی کوئی صریح حکم نہیں تو قرآن کیونکر حجت ہو گا اور خدا کو یہ ناپسند ہے کہ روئے زمین میں ایسا فتنہ ہو کہ جس کا اسے علم ہے اور اس کے لئے کوئی فیصلہ کرنے والا نہ ہو۔ تاکہ اہل ارض کی دل تنگی دور ہو اور درست فیصلہ کر کے معصیت سے لوگوں کو بچائے" (کافی صفحہ ۲۷۴)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت

ان اللہ یا مرکم ان تو دو الامانات الی اھلھا

ترجمہ : اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ امانتوں کو اس کے اہل کے سپرد کر دو اور جب لوگوں کے درمیان حکم کرو تو عدل سے حکم دو۔

کی تفسیر دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا :۔

"اس سے مراد ہم ہیں یعنی پہلا امام اپنے بعد والے امام کو کتابیں علم اور ہتھیار جو امانت الہیہ ہیں سپرد کر دے اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو از روئے انصاف فیصلہ کرو پھر خدا نے لوگوں سے کہا "اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسول کی اور جو تم میں اولی امر ہیں ان کی۔ یعنی ہماری خاص کر اطاعت فرض ہے تمام مومنین پر تا قیامت۔ پھر فرماتا ہے اگر تم کو کسی امر میں جھگڑے کا خوف ہو تو رجوع کرو اللہ اور رسول اور اپنے اولی امر کی طرف۔ اگر والیان امر اور رعایا

کے درمیان جھگڑا مراد ہوتا (جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں) تو کیسے ممکن تھا کہ والیان امر کی اطاعت کا بھی حکم دیتا اور پھر ان کو جھگڑے میں بھی شریک کرتا یہ تو ان ماموریں کے لئے ہے جن سے کہا گیا ہے کہ تم اطاعت کرو اللہ کی اور رسولؐ کی اور جو تم میں اولالامر ہیں ان کی" (اصول کافی صفحہ ۳۱۷)

نبی، رسول اور محدث میں فرق

زرارہ سے مروی ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے آیت کان رسولا انبیا کے متعلق سوال کیا اور پوچھا کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے۔ فرمایا نبی وہ ہے جو فرشتہ کو خواب میں دیکھتا ہے اس کی آواز سنتا ہے لیکن ظاہر بظاہر حالت بیداری میں نہیں دیکھتا اور رسول وہ ہے جو آواز بھی سنتا ہے خواب میں بھی دیکھتا ہے اور ظاہر میں بھی۔ میں نے پوچھا کہ امام کی منزلت کیا ہے فرمایا وہ فرشتہ کی آواز سنتا ہے مگر دیکھتا نہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی ولا محدث (ترجمہ : اور ہم نے نہیں بھیجے تم سے پہلے نہ رسول اور نہ نبی اور نہ محدث مگر الخ)

احادیث بالا سے معلوم ہوا کہ خلافت ایسے جو حضرت آدمؑ کو ملی تھی جس کا دوسرا نام امامت ہے جو جناب ابراہیمؑ سے ہوتی ہوئی جناب ختمی مرتبتؐ تک پہنچی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے دو ماہ دس روز قبل ۱۸ ذی الحجہ ۱۰ھ پروردگار عالم کے حکم کے تحت حضرت علی علیہ السلام کی سپرد فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں علی اس کے مولا ہیں پروردگار اس کو دوست رکھنا جو علیؑ کو دوست رکھے۔ اسے دشمن رکھنا جو علیؑ سے دشمنی رکھے۔ اسکی مدد کرنا جو علیؑ کی مدد کرے اس کو ذلیل کرنا جو علیؑ کو ذلیل کرے جب سرکار رسالتؐ یہ کام انجام فرما چکے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (پ٦ ع٥)

ترجمہ : آج تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا۔

چنانچہ یہ تاج خلافت و امامت و ولایت بحکم خدا حضرت علی علیہ السلام کو پہنچا جیسا کہ ہر نبی اور رسول نے اپنا وصی مقرر کیا اسی طرح حضور سرور کائناتؐ نے بھی بحکم خدا اعلان وصی فرمایا۔ ہم نے اوصاف امام دیکھے اور یہ جانا کہ یہ عہدہ ہر کس و ناکس کے لیے نہیں ہے بلکہ پروردگار عالم اس کو یہ عہدہ عطا کرتا ہے جو ان صفات کا حامل ہو ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ روئے زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی چنانچہ شیعہ عقیدے کی رو سے یہ عہدہ امام آخرالزماں علیہ السلام تک پہنچا جو حیات ہیں وہی حامل اوامر و نواہی پروردگار عالم ہیں اور ان ہی کی اطاعت فرض ہے۔

خلافت المیہ ملوکیت

"اب ہم جناب ظفر احمد فاروقی صاحب کی کتاب خلافت و حکومت سے اقتباسات پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ کس طرح خلافت المیہ ملوکیت میں تبدیل ہوئی حضور سرور کائنات ؐ کی رحلت کے بعد ایک خیال جو مختلف ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا کہ آپ کا جانشین کون ہو اب کھل کر سامنے آگیا تھا حالانکہ رسالتماب ؐ اپنی حیات ہی میں اس کا اعلان بحکم خدا فرما چکے تھے۔ بنوہاشم بلاشک و شبہ حضرت علی علیہ السلام کو حضور ؐ کا جانشین مانتے تھے لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نہیں چاہتے تھے۔ یہ انداز فکر جن لوگوں کا تھا ان میں حضرت عائشہ و حضرت حفصہ کے نام سرفہرست لئے جاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ رسالتماب ؐ کی علالت کے دوران ہی یہ بات آپس کے صلاح و مشورہ سے طے پا گئی تھی کہ اگر حالات سازگار ہو سکے تو پہلے جانشین رسول ؐ حضرت ابوبکرؓ ہوں گے اور وہ اپنے بعد حضرت عمرؓ کو نامزد کریں گے اور حضرت عمرؓ حضرت ابوعبیدہ کو اپنے بعد مقرر کریں گے تاکہ اس طرح نامزدگی کے ذریعہ حضرت علیؑ کے لیے کوئی موقع باقی نہ رہنے دیا جائے کہ وہ منصب جانشینی رسول ؐ حاصل کر سکیں۔ اس منصب کو حاصل کرنے کے لیے جن جن باتوں کا سہارا لیا گیا وہ اس طرح بیان کی گئیں ہیں کہ حضور ؐ نے اپنی علالت کے دوران بقول حضرت عائشہؓ ان کے والد کو ہدایت فرمائی کہ "ابوبکرؓ امامت کے فرائض انجام دیں" ادھر جناب حفصہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ؐ نے حکم دیا کہ "عمرؓ نماز پڑھائیں" ان باتوں سے مقصود یہی تھا کہ بعد رسول ؐ اسی امامت سے جانشینی کے لیے استدلال کیا جا سکے اور رسول ؐ کے اعلان خلافت علیؑ کو پس پشت ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جب اہل بیت اطہار رسول خدا ؐ کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے انصار مدینہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جانشین رسول ؐ منتخب کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ انصار اس خلافت کا حقدار اپنے آپ کو سمجھتے تھے اور ان کا استدلال یہ تھا کہ دین کی بنیادیں ان کی قربانیوں سے مضبوط ہوئی ہیں ان کی خواہش یہ تھی کہ سب لوگ سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں مگر آپس کے اختلاف نے ان کو کسی فیصلہ پر نہ پہنچے دیا حتیٰ کہ اسی دوران حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ اور مہاجرین کی معزز شخصیتیں بھی سقیفہ بنوساعدہ میں پہنچ گئیں اب مسئلہ صرف انصار کا نہ رہا بلکہ مہاجرین اور انصار کا بن گیا۔ انصار نے مہاجرین کے سامنے اپنا حق جتایا ان کا

استدلال سننے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا :

"اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کو اس دنیا میں اپنا رسول بنا کر بھیجا تاکہ لوگ اللہ کو پہچانیں اور اس کی عبادت کریں۔ رسولؐ کی بعثت سے پہلے لوگ اللہ کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے تھے جب رسول اللہؐ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچایا تو ہم مہاجرین ہی تھے جنہیں اللہ نے اپنے رسولؐ پر ایمان لانے کی توفیق دی ساری قوم مہاجرین کی دشمن تھی اور ہزار طرح کی صعوبتیں ان کو برداشت کرنا پڑیں لیکن وہ ثابت قدم رہے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کو مضبوطی سے پکڑے رہے یہی اولین ایمان لانے والے آپ کے ہم قبیلہ تھے اور یہی آپ سے زیادہ خلافت کا حق رکھتے ہیں اور ان کے اس حق سے کوئی ظالم ہی جھگڑا کر سکتا ہے۔

" اے گروہ انصار تم بھی مہاجرین کی دین میں فضیلت اور اسلام قبول کرنے میں ان کی اولیت سے انکار نہیں کر سکتے پہلے ایمان لانے والوں کے بعد تم سب سے افضل ہو پس امیر مہاجرین میں سے ہو اور وزیر انصار میں سے۔"

(خلافت و حکومت از ظفر فاروقی ص ۴۹۔۵۰)

حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا اور کہا "واللہ قریش تمہیں اپنا امیر نہیں بنائیں گے نہ اس پر راضی ہوں گے۔"

ان دونوں کے خیالات سننے کے بعد حباب بن منذر انصاری مخاطب ہوئے۔

"اے گروہ انصار تم خلافت اپنے ہاتھ میں رکھو تمہارے مقابلہ میں کوئی اور دعویٰ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا سب تمہاری رائے پر چلیں گے تم خود اپنے اندر اختلاف پیدا نہ ہونے دو ورنہ پھر تمہاری کوئی قیمت نہ ہو گی جہاں تک مہاجرین کا تعلق ہے تو ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حسن سلوک ہو سکتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے۔"

اس تجویز کو حضرت عمرؓ نے نہایت ناپسند فرماتے ہوئے بلند آواز سے کہا : "ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔"

حباب بن منذر نے اس کا جواب تلخی اور درشتی سے دیا یہ دیکھ کر ابوعبیدہ نے مصالحانہ روش اختیار کرتے ہوئے کہا :

"اے انصار تم ہی وہ ہو جو اسلام کے حامی اور مددگار بنے ایسا نہ ہو کہ اب تم ہی اسلام میں تفرقہ ڈالنے والے ہو۔"

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور حالات کا جائزہ لیتے ہوئے قبیلہ اوس کے ترجمان بشیر بن سعد نے ایک جذباتی تقریر کرتے ہوئے یہ تسلیم کیا کہ خلافت کا حق مرجع خاندان رسولؐ اور اولین ایمان لانے والوں کا ہے۔ اس تقریر سے مہاجرین کو تقویت پہنچی اور حضرت ابوبکرؓ نے مخاطب کیا :

"عمر اور ابوعبیدہ یہاں موجود ہیں ان میں سے جسے چاہو خلیفہ بنا لو" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"نہیں ہم میں سب سے بہتر آپ ہیں اپنا ہاتھ بڑھایئے میں بیعت کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی پھر ابوعبیدہ نے اور اس کے بعد قبیلہ اوس نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ نے بیعت سے انکار کیا اور اسی حال میں ان کا انتقال ہوا۔" (خلافت و حکومت صفحہ ۴۹ تا ۵۱)

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علی علیہ السلام نے اس تقرری کی مخالفت کی یا نہیں اس کا جواب آگے چل کر جب کہ ہم ملت اسلامیہ کے تینوں طریقہ انتخاب یا تقرر کا ذکر کر چکیں گے بالوضاحت دیا جائے گا سردست ہم مولف کتاب خلافت و حکومت کے ان الفاظ پر انحصار کرتے ہیں :

"مسلمانوں نے بلا کسی اختلاف کے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی سوائے حضرت علیؑ کے جن کا موقف یہ تھا کہ نیابت رسولؐ کا حق صرف ان کا ہے اور ان کی موجودگی میں کسی دوسرے کو یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی۔"

اب ہم مملکت اسلامیہ کے دوسرے خلیفہ کا تذکرہ بھی مولف کتاب موسومہ "خلافت و حکومت" کے الفاظ میں کرتے ہیں :

"مسلمانوں کا خلیفہ اول جب علیل ہوا اور وقت آخر قریب محسوس ہوا

تو خلافت کی ذمہ داریاں حضرت عمربن الخطاب کے سپرد کر دیں اور اپنے اللہ اور محبوب رسولؐ سے جا ملے۔" (صفحہ ۴۲)

"حضرت ابوبکرؓ نے جب حضرت عمرؓ کو خلافت کا بار اٹھانے کے لیے نامزد کیا تو مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جسے حضرت ابوبکرؓ کی رائے سے اختلاف تھا۔ آپ نے مسلمانوں کو ایک رائے پر متفق کرنے کے لیے شدید علالت کے باوجود اپنی اہلیہ کا سہارا لے کر جھروکہ سے مسلمانوں کے اجتماع سے ان الفاظ میں خطاب فرمایا :

"لوگو میں نے تم پر جسے حاکم بنایا ہے کیا تم اس کو پسند کرتے ہو جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے اس معاملہ پر غور کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا ہے اور عمرؓ کو ہی بہتر پایا ہے۔ تم خوب جان لو کہ میں نے اپنے کسی عزیز کو یا ہم قبیلہ کو منتخب نہیں کیا ہے۔ میں نے عمرؓ کو تمہارا خلیفہ نامزد کیا ہے تم اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔"

مخالف لوگوں کی ترجمانی طلحہ اور زبیر کر رہے تھے جب انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو اس طرف متوجہ کیا کہ اللہ تعالیٰ جلد ہی ان کے اقدامات کے متعلق ان سے پوچھے گا تو شدید حالت بیماری کے باوجود اب اٹھ کر بیٹھ گئے اور طلحہ کو مخاطب کرکے فرمایا :

میں اللہ سے کہوں گا اے اللہ میں تیرے بندوں پر اس شخص کو امیر بنا آیا ہوں جو امت میں سب سے بہتر ہے۔"

جب حکومت اسلامیہ کے دوسرے خلیفہ کو ابولولو مغیرہ بن شیبہ کے غلام نے شہید کر دیا تو سارا مدینہ جمع ہو گیا۔ جب حضرت کی زندگی کی امید باقی نہ رہی تو لوگوں نے خواہش کی کہ اپنے جانشین کو نامزد کر دیجئے آپ نے ان الفاظ میں انکار فرمایا :

"میں نے اپنے ساتھیوں میں حرص و طمع دیکھا ہے کون ہے جسے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ دوں اگر ابوعبیدہ زندہ ہوتے تو ان کو نامزد کر دیتا۔"

(خلافت و حکومت صفحہ ۸۹)

کسی نے کہا کہ آپ ابن عمر کو کیوں نظرانداز کرتے ہیں تو ان کو سخت ناگوار ہوا اور

فرمایا :

خدا تجھے غارت کرے بخدا میں نے اپنے رب سے اس بات کی خواہش کبھی نہیں کی۔ میرے لیے یہ نہایت ہی نامناسب بات ہوگی کہ میں اپنے گھر والوں میں سے کسی کو خلیفہ نامزد کروں۔"

پھر حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا :

"میں نے بہت غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے کہ علیؓ عثمانؓ زبیرؓ طلحہؓ عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور سعد بن وقاصؓ چھ آدمیوں کی مجلس مشاورت بنائی جائے اور جسے اتفاق رائے سے یا کثرت رائے سے خلیفہ منتخب کریں وہ مسلمانوں کا ذمہ دار ہو گا۔ ابن عمر مجلس مشاورت میں شریک کیے جاسکتے ہیں مگر وہ خود خلافت کے امیدوار نہیں ہو سکتے۔"

"پانچ ممبران مجلس مشاورت نے اپنے حقوق عبدالرحمٰن بن عوف کو دے دیئے چھ آدمیوں کی جگہ اب صرف عبدالرحمٰن بن عوف حکم مطلق تھے اکثریت کی رائے کے علی الرغم حضرت عثمانؓ خلیفہ نامزد ہوئے۔ یہ نامزدگی بڑی اختلافی فضا میں ہوئی اور یہ پہلا دن تھا جب مسلمانوں نے قبیلہ پرستی کا مظاہرہ کیا مجلس شوریٰ کے دو ممبر حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمٰن بن عوف بنو امیہ میں سے تھے۔ طلحہ' زبیر اور سعد بن وقاص قریش میں سے تھے اور حضرت علیؓ بنو ہاشم سے تھے۔ قریش مدینہ بنی امیہ کو ذہنی طور پر پسند نہیں کرتے تھے ان حالات میں بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مجلسی مشاورت علیؓ کو متفقہ یا کثرت رائے سے نامزد کر دے گی مگر اچانک ایک نئی صورت پیش آئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ پیش کش کی کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ انہیں حکم قرار دیں اور وہ جسے نامزد کریں وہ خلیفہ ہو جائے حضرت عثمان نے انہیں حکم مان لیا مگر علیؓ خاموش رہے جس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؓ سے مخاطب ہو کر کہا :

"ابوالحسن آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں"

حضرت علیؓ نے فرمایا :

"میں اس کے سوا اور کیا کہوں کہ حق کی پیروی کی جائے نفس کی بندگی کی جائے۔ عزیز و رشتہ داری کا پاس نہ کیا جائے۔"

عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمانؓ کے بہنوئی تھے انہوں نے رسمی طور پر حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے ملاقاتیں کیں۔ طلحہ' زبیر اور سعد بن وقاص اور ابن عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف سے یہی کہا کہ حضرت علیؓ کو ہر طرح افضلیت حاصل ہے اور ان کو خلیفہ نامزد کیا جائے لیکن عبدالرحمٰن بن عوف معاملہ کو طول دیتے رہے بالاخر ایک صبح عبدالرحمٰن بن عوف نے مسجد میں مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور ان سے دریافت کیا کہ خلیفہ حضرت علیؓ کو یا حضرت عثمانؓ کو کیا جائے جس پر صحابی رسول عمار بن یاسر نے لوگوں سے خطاب کیا :

"اگر اسلام کو افتراق و انشقاق سے بچانا مقصود ہے اور اس کی بہتری مطلوب ہے تو اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ ہم سب حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں ہم میں وہی سب سے بہتر ہیں۔"

عبداللہ بن سرح جو حضرت عثمانؓ کے رضاعی بھائی تھے اٹھے اور کہا۔

"اگر قریش میں فساد پیدا کرنا مقصود نہ ہو تو عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلینا چاہیے۔"

اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے کھڑے ہو کر اس طرح اعلان کیا :

"مجھے فریقین نے جو اختیار دیا تھا اس کے تحت میں عثمانؓ کو نامزد کرتا ہوں۔ یہ فیصلہ میں نے امت کی بہتری کے لیے کیا ہے۔"

اس فیصلہ سے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے پہلے دن ہی قبیلہ پرستی کا مظاہرہ ہوا اور دیرینہ دشمنیاں روبکار آگئیں۔ مورخین نے اس فیصلہ کے متعلق اپنی آراء کچھ ان الفاظ میں بیان کی ہیں :

"قطع نظر اس کے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ فیصلہ محض اثرات کے تحت کیا یا آئندہ کے لیے اس سے کچھ راہیں استوار کرنا مقصود تھا اس واقعہ سے انکار مشکل ہے کہ یہ فیصلہ پہلے سے طے شدہ تھا جس کے لیے طریق کار یہی متعین ہو چکے تھے اور اگر یہ اسکیم ثالثی کامیاب نہ ہوتی تو اور طریقہ بھی آزمائے جاتے۔ بصورت دیگر یہ امر یقینی تھا کہ باوجود خلیفہ اول و دوم کے تیرہ سالہ دور نے مسلمانوں کے ذہن سے

اہل بیت کی اہمیت اور ان کے مرتبہ کو کچھ کم کر دیا تھا۔ پھر بھی حضرت
علیؑ کی شخصیت ان کی اہلیت و اہمیت اس وقت بھی مسلم تھی اور انکی
افضلیت سے انکار ممکن نہ تھا۔ خود مجلس مشاورت کی اکثریت حضرت
علیؑ کی نامزدگی پر آخر وقت تک مصر تھی اور کوئی امکان اس کا بظاہر
نہیں تھا کہ حضرت عثمانؓ کو حضرت علیؑ کے مقابلہ میں کامیابی ہو سکتی۔"
(خلافت و حکومت صفحہ ۹۱ تا ۹۲)

ہم نے حکومت اسلامیہ کی تین خلافتوں کا تذکرہ پیش کیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ خلافت الٰہیہ جس کو پروردگار عالم نے خود قائم فرمایا جو رسالتمآبؐ تک باقی رہی ان کی آنکھ بند ہوتے ہی کس طرح حکومت میں بدل دی گئی فرمان اللہ اور فرمان رسولؐ کو کس طرح پس پشت ڈال کر ملوکیت کی بنیاد حاکمیت اللہ' اطاعت و رسول و الو الامر کی خلاف کس طرح رکھی گئی اور نام اسلام کا لیا گیا۔ کیا یہ سب کچھ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت نہ ہوا؟ کیا اس سب کھیل کا مقصد علیؑ کو نظرانداز کرنا نہ تھا۔ کیا رسولؐ اور رسولؐ کے گھرانہ کی محنت اور کاوش کو جو انہوں نے دین اسلام پھیلانے میں کی تھیں فراموش کرکے اسلام کو صرف ان ہاتھوں میں پہنچا دیا جس پر قصر ملوکیت کی تعمیر ہوئی کیا اس انتخاب کو جمہوری انتخاب کہا جا سکتا ہے کیا اس تقرر کو اولی الامر کا تقرر مانا جا سکتا ہے کیا اسے شوریٰ کے معنی دیئے جا سکتے ہیں؟ کیا سقیفہ بنی ساعدہ کو پارلیمنٹ کا نام دیا جا سکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت غیرنمائندہ چند شخصیتوں نے باوجود اختلاف آراء کے اپنی پسندیدہ شخصیتوں کا تقرر کر ڈالا اور اولی الامر کا درجہ دے دیا۔ ہم نے دیکھا کہ اولی الامر کا تقرر تو پروردگار عالم خود فرماتا ہے رسول یا نبی کو بھی حق نہیں کہ اپنا ولی یا نائب مقرر کرے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو باوجود مخالفت کے نامزد کرکے اور ان کی اطاعت کا حکم دے کر کیا پروردگار عالم کے اختیارات خود استعمال نہیں کئے جس کا انہیں حق ہی نہ تھا۔ دراصل یہ حکم دے کر خلافت الٰہیہ کو حکومت میں تبدیل کرنا مقصود تھا تاکہ خاندان رسولؐ اس سے محروم رہے حضرت عمرؓ کی نامزدگی اس لئے کی گئی کہ ان کی سخت گیری اس ملوکیت کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دے تاکہ منجانب پروردگار عالم مقرر شدہ اولی الامر یا اس کے خاندان کا کوئی فرد اس حق کو جتانے کی جرات نہ کر سکے۔ اسلامی حکومت کی پہلی

خلافت سقیفہ بنی ساعدہ میں قائم ہوئی اور دوسری خلافت نامزدگی کے ذریعہ عمل میں آئی۔ اور تیسری خلافت نام نہاد ثالثی کے ذریعہ معرض وجود میں آئی۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ تینوں طریقے کیا قرآن و سنت کے موافق ہیں یا نہیں۔ ناظرین اس کا فیصلہ خود فرمائیں۔ ہم نے تینوں خلافتوں کا حال کتاب موسومہ خلافت و حکومت سے لیا ہے جس کو پڑھنے کے بعد ہم مورخین کی اس رائے سے متفق ہیں جو اوپر تحریر کی گئی ہے۔
اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان تینوں خلفاء کے دور میں کیا مسلمانوں میں کشیدگی کم ہوئی یا اور زیادہ ہوئی کیا مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق قائم رہا یا نہیں۔ کیا رسالتمابؐ کا جو مقصد دین اسلام لانے کا تھا وہ پورا ہوا یا نہیں؟ مسلمان ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں تو معلوم ہو گا کہ رسالتمابؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی ہوس اقتدار کس طرح سامنے آئی اور حصول اقتدار کے لیے کیا کچھ نہ کیا گیا۔ ہر شخص اپنا حق جتانے میں پیش پیش تھا مہاجر و انصار میں کشمکش شروع ہوئی اسکیمیں مرتب ہوئیں۔ تلخ تقریریں کی گئیں نفس کی بندگی کی گئی حق کو پس پشت ڈالا گیا رشتہ داریاں سامنے آگئیں۔ حرص طمع پیدا ہو گیا جیسا کہ حضرت عمرؓ نے جب کہ ان سے جانشین نامزد کئے جانے کے متعلق کہا گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں میں حرص و طمع بتایا اور ابوعبیدہ کے متعلق فرما کر کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کو نامزد کر دیتا یہ ثابت کرتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں آنے سے قبل طے شدہ پروگرام پر عمل پورا نہ ہوا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مجلس مشاورت تشکیل دے کر اتنی ذہانت کا ثبوت دیا کہ ماسوائے حضرت علیؑ پانچ نے عبدالرحمٰن بن عوف کو حکم مان کر یہ ثابت کر دیا کہ فرمان رسول کی پیروی نہیں چاہتے تھے اور خلافت الیہ اس کے صحیح حقدار کو نہیں دینا چاہتے تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف کے فیصلہ سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دشمنی کھل کر آ گئی تھی بنوامیہ برسراقتدار آ چکے تھے اور حکومت کی گیند ان کے ہاتھوں میں تھی اقربا پروری کے لیے دروازہ کھل گیا احکام قرآنی اور فرمان رسولؐ کو پس پشت ڈالا جانے لگا۔ فرقہ پرستی کی باتیں ہونے لگیں۔ مفاد اسلام نظرانداز ہو گیا اور حکومتیں جوڑ توڑ اور سازشوں میں الجھنے لگیں اور ان حکومتوں کو اسلام کے نام پر چلایا جانے لگا کیونکہ اگر یہ نام نہ لیا جاتا تو تخت حکومت ڈانواڈول ہو جاتا۔ خلافت الیہ کے مقرر کردہ اولی الامراب دشمن تھے باغی تھے' جنگیں لڑی گئیں۔ شہید کیا گیا۔ زہر دیا گیا تاکہ ایسا نہ ہو کہ مسلمان ان کے چاروں طرف جمع ہو جائیں اور یہ حکومت جس کی

بنیاد رکھی گئی ہے خلافت الٰہی میں بدل نہ جائے۔
قبل اس کے ہم چوتھی خلافت کا تذکرہ کریں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر روشنی ڈالی جائے کہ آیا حضرت علیؑ نے ان تینوں خلافتوں کو تسلیم بھی کیا یا نہیں؟ کیا آپ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی یا نہیں بے شک بیعت لینے کی بے حدؐ کوشش کی گئی اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ رسولؐ کے انتقال کے فوراً بعد ہی رسولؐ کے گھرانہ کی عظمت نظروں سے گر گئی اور لخت جگر رسول کے گھر کو گرا کر گھر والوں کو زخمی کرکے ایذا پہنچائی گئی کیا بیعت لینے کے یہ انداز ہیں جو رسولؐ نے تعلیم کئے تھے یہ باتیں تو تجہیز و تکفین رسولؐ کے بعد عمل میں آئیں کیا میں یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ تاریخ رسولؐ کریم کی تجہیز و تکفین اور تدفین میں یا نماز جنازہ پڑھانے کے متعلق کن کن مسلمانوں کا نام بتاتی ہے۔ تاریخ پڑھنے والے خود اس کا فیصلہ فرمائیں۔ جہاں تک حضرت علیؑ کا ان تینوں خلافتوں کے تسلیم کرنے یا نہ کرنے یا بیعت کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہے ہم جناب امیرالمومنینؑ کا ایک خطبہ نہج البلاغہ سے نقل کرتے ہیں جس کو پڑھ کر خود فیصلہ فرمایئے :

"خدا کی قسم فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا حالانکہ وہ میرے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا (اس کے باوجود) میں نے خلافت کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کٹے ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیانک تیرگی پر صبر کر لوں جس میں سن رسیدہ بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے پروردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا لہذا میں نے صبر کیا حالانکہ آنکھوں میں خلش تھی اور حلق میں پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا (پھر حضرت نے یہ شعر پڑھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر

کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا)
تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا لیکن
اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لیے استوار کرتا گیا بے
شک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ
لیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا جس کے
چرکے کاری تھے جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات
بات پر ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔ جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا
ہے جیسے سرکش اونٹنی پر سوار کہ اگر مہار کھینچتا ہے تو اس کی ناک کا
درمیانی حصہ شگافتہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے
گا اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ
جائے گا اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم لوگ کجروی، سرکشی، تلون
مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے اس طویل مدت اور
شدید مصیبت پر صبر کیا یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو
ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال
کیا۔ اے اللہ مجھے اس شوریٰ سے کیا لگاؤ۔ ان میں کے سب سے پہلے
کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا جو اب ان
لوگوں میں شامل کر لیا گیا ہوں مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ جب
وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں بھی ایسا ہی کرنے
لگوں اور جب وہ اونچے ہو کر اڑنے لگیں تو میں بھی اس طرح پرواز
کروں۔ ان میں سے ایک شخص تو کینہ و عناد کی وجہ سے مجھ سے
منحرف ہو گیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر
جھک گیا یہاں تک کہ اس قوم کا تیسرا شخص سرگیں اور چارے کے
درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے
جو اللہ کے مال کو اس طرح نگلتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ
چرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا جب اس کی بٹی ہوئی رسی کے بل
کھل گئے اور اس کی بداعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پری

نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔

اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بجو کے ایال کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ و حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلہ کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا گویا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد سنا ہی نہ تھا کہ "یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ بلندی چاہتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔" ہاں ہاں خدا کی قسم ان لوگوں نے اس آیت کو سنا تھا اور یاد کیا تھا لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی سج دھج نے انہیں لبھا لیا۔ دیکھو اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علما سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر سکون و قرار سے نہ بیٹھیں تو میں خلافت کی باگ دوڑ اسی کے کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالہ سے سیراب کرتا جس پیالہ سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے۔"

جب حکومت اسلامیہ کے تیسرے خلیفہ کو شہید کر دیا گیا تو مدینہ کی فضا یاس انگیز تھی اسلامی تاریخ کے اس اندوہناک واقعہ کے تصور سے دل لرز گیا تھا۔ وقت گزرا مسلمان مسجد میں جمع ہوئے کہ نئے خلیفہ کا انتخاب عمل میں آئے جمع ہونے والوں میں مصری، عراقی، کوفی، اور مدینہ کے انصار و مہاجرین سب جمع تھے۔ مشورہ ہوا مگر باوجودیکہ ذہنوں میں مختلف نام تھے مگر اتفاق جس نام پر ہوا وہ حضرت علیؑ تھے۔ چنانچہ اشتر نخعی کچھ اور مسلمانوں کے ساتھ حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو

مشورہ ہوا تھا اس کا اظہار کر کے آپ سے بیعت خلافت لینے کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا :

"میں سوچوں گا۔ انتخاب خلیفہ کا حق اہل بدر کو ہے میں مہاجرین و انصار سے مشورہ کروں گا فی الحال میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

حضرت کے اس جواب سے مسلمانوں کو مطلع کیا گیا پھر مشورہ ہوا اور یہ طے پایا کہ اس مسئلہ کو تاخیر میں نہ ڈالا جائے۔ تاخیر میں اتحاد اسلامی اور نظم خلافت میں اختلال کا اندیشہ ہے اس کا بھی امکان ہے کہ عمال خلافت کو جب یہ علم ہو گا کہ کوئی خلیفہ نہیں ہے تو وہ خودمختاری کی راہیں اختیار کر لیں گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنوامیہ طاقت حاصل کر کے مزید کشت و خون کا باعث بنیں۔" اس فیصلہ کے بعد مسلمان پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے صورتحال ظاہر کرتے ہوئے ملت کی سلامتی، قرآن و سنت کے تحفظ کا واسطہ دے کر پہلے فیصلہ پر نظرثانی کے لیے عرض کیا۔ آپ نے مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو حضرت تشریف لائے اور سب سے پہلے طلحہ اور زبیر کو مخاطب کر کے فرمایا :

"تم دونوں کو خلافت کی خواہش ہے اگر مسلمان تم دونوں میں سے کسی کو اپنا امیر بنا لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

سب خاموش تھے طلحہ اور زبیر بھی چپ تھے اس موقع پر اشترنخعی نے آگے بڑھ کر حضرت علیؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور باآواز بلند کہا :

"بات متفقہ طے ہو چکی ہے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔"

سب مسلمانوں نے تائید کی اور تمام حاضرین نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور مہاجرین و انصار نے بھی۔ مولف کتاب خلافت و حکومت طلحہ اور زبیر کے متعلق تحریر فرماتے ہیں :

"یہ ضرور ہے کہ یہ دونوں خلافت کے خواہشمند تھے اور اگر حضرت عثمانؓ معزول ہوئے ہوتے تو یقیناً" یہ دونوں اپنی اپنی قسمت آزماتے مگر شہادت عثمانؓ نے حالات اس قدر ناخوشگوار کر دیئے تھے کہ جو کچھ ان کے دلوں میں تھا وہ زبان پر نہ آ سکا انہیں ڈر تھا کہ اگر وہ اس موقع پر آگے بڑھتے تو اس خونی ڈرامہ میں جو کردار انہوں نے ادا کیے ہیں وہ

سب سامنے آئیں گے اور اس واقعہ کی بہت کچھ ذمہ داری ان پر ثابت
ہو گی موجودہ حالت میں ان کا خاموش رہنا ہی ان کی سلامتی کا ضامن
ہے۔ دراصل ان حالات میں ان کی خاموشی اور اکثریت کی ہم نوائی ہی
ان کی سیاست تھی اور اس طرح اپنے دامن کے داغوں کی پردہ پوشی
کرنا چاہتے تھے جس میں وہ کامیاب رہے۔"

جب ملت اسلامیہ۔ احکام الٰہی اور سنت رسولؐ کا سوال آیا تو حضرت علیؑ نے اتحاد ملت اور تحفظ دین کی خاطر خلافت ظاہری قبول فرمائی۔ سب نے بیعت کی اور متفقہ طور پر آپ کو مسند خلافت سپرد کی لیکن دلوں میں حصول اقتدار کارفرما رہا۔ تاریخ ان اقعات سے پر ہے کہ آپ کو ایک دن بھی چین نصیب نہ ہوا ہم اس تقرری کو ایک حد تک جمیع مسلمانان جو مدینہ میں تھے ان کے متفقہ مشورہ کا نتیجہ کہہ سکتے ہیں۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے اس گروہ نے جو منافقین کی تعریف میں آتا ہے سیاسی طور پر تو بیعت کر لی تھی لیکن جب ان کا نفاق ظاہر ہوا تو جس خلافت الہیہ کی بنیاد حضرت علیؑ رکھنا چاہتے تھے وہ نہ ہو سکی۔ بلاشبہ حضرت علیؑ خلافت الہیہ کے امین بحکم خدا رسالتمآبؐ کی زبان یا برکت سے حیات پیغمبر میں ہی بن چکے تھے اب خلافت ظاہری قبول فرما کر آپ نے امت اسلامیہ کو متحد کرنا چاہا اور قرآن و سنت کی عملداری چاہی لیکن آپ کے دور میں جو کچھ ہوا اس کی تفصیل تاریخ میں درج ہے ہم اس دور کو خلافت الہیہ کا ایک مثالی دور کہہ سکتے ہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کا اس خلافت ظاہری کو قبول فرمانے کی ایک اور وجہ بھی ہماری ناقص رائے میں یہ ہو سکتی ہے کہ آپ مسلمانوں کے لیے ایک نمونہ خلافت الہیہ کا جو رسولؐ کے زمانہ میں تھا برقرار فرما کر مسلمانوں کو یہ سوچنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے تھے کہ عدل و انصاف اور نجات اخروی اسی طریق پر عمل کرنے میں ہے۔

اس موقع پر ہم جماعت اسلامی کے بانی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کے صفحہ ۱۴۲ اور اس کے بعد کے صفحات میں جو کچھ تحریر ہے نقل کرتے ہیں تاکہ اس دور کے اہل تصنیف کے خیالات سے بھی ناظرین آگاہ ہو سکیں اور ان کو معلوم ہو جائے کہ خلافت الہیہ کس طرح ملوکیت میں تبدیل کی گئی۔

"اس روداد سے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ حضرت علیؑ کی خلافت قطعی

طور پر ٹھیک انہی اصولوں کے مطابق منعقد ہوئی تھی جن پر خلافت راشدہ کا انعقاد ہو سکتا تھا وہ زبردستی اقتدار پر قابض نہیں ہوئے۔ انہوں نے خلافت حاصل کرنے کے لیے برائے نام بھی کوشش نہیں کی لوگوں نے خود آزادانہ مشاورت سے ان کو خلیفہ منتخب کیا۔ صحابہ کی عظیم اکثریت نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں شام کے سوا تمام بلاد اسلامیہ نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا۔ اب اگر حضرت سعد بن عبادہ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی خلافت مشتبہ نہیں ہوتی تو ۱۷ یا ۲۰ صحابہؓ کے بیعت نہ کرنے سے حضرت علیؓ کی خلافت کیسے مشتبہ قرار پا سکتی ہے علاوہ بریں ان چند اصحاب کا بیعت نہ کرنا تو محض ایک منفی فعل تھا جس سے خلافت کے معاملہ میں آئینی پوزیشن پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیا مقابلہ میں کوئی دوسرا خلیفہ تھا جس کے ہاتھوں پر انہوں جوابی بیعت کی ہو؟ یا ان کا کہنا یہ تھا کہ اب امت اور مملکت کو بے خلیفہ رہنا چاہیے؟ یا یہ کہ کچھ مدت تک خلافت کا منصب خالی رہنا چاہیے؟ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تھی تو محض ان کے بیعت نہ کرنے کے یہ معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہ اکثریت اور عظیم اکثریت نے جس کے ہاتھ پر بیعت کی تھی وہ جائز طور پر فی الواقع خلیفہ نہیں بنا۔ (صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳)

اس طرح امت کو یہ موقع مل گیا تھا کہ خلافت راشدہ کے نظام میں جو خطرناک رخنہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے پیدا ہوا تھا وہ بھر جاتا اور حضرت علیؓ پھر سے اس کو سنبھال لیتے لیکن تین چیزیں ایسی تھیں جنہوں نے اس رخنہ کو نہ بھرنے دیا بلکہ اسے اور زیادہ بڑھا کر ملوکیت کی طرف امت کو دھکیلنے میں ایک مرحلہ اور طے کرا دیا :

ایک حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے میں ان لوگوں کی شرکت جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے کے لیے باہر سے آئے ہوئے تھے ان میں وہ لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے بالفعل جرم قتل کا ارتکاب کیا تھا اور وہ بھی جو قتل کے محرک اور اس میں اعانت کے مرتکب ہوئے تھے۔

دوسرے بعض اکابر صحابہ کا حضرت علیؓ کی بیعت سے الگ رہنا۔

تیسرے حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دونوں فریق اٹھ کھڑے ہوئے ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ (۱۲۳ تا ۱۲۷)

ان حالات میں حضرت علیؓ نے خلافت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لے کر کام شروع کیا۔ ہم حضرت کی خلافت کے زمانہ کی تفصیل میں جائے بغیر یہ تحریر کرتے ہیں کہ خلاف کس طرح قدم بہ قدم ملوکیت کی طرف بڑھتی رہی چنانچہ حسب ذیل اقتباس بھی کتاب خلافت و ملوکیت سے ہی درج کرتے ہیں :

"حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اس مرحلہ میں یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے۔ (صفحہ ۱۴۷)

اب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہؓ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورہ پر چھوڑ دیتے یا اگر قطع نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کرنا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہل علم و اہل خیر کو جمع کرکے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے امت میں موزوں تر آدمی کون ہے لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کو بھی ختم کر دیا۔ (صف ۱۴۸)

"اس طرح خلافت راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادون نے لے لی اور مسلمانوں کو آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہؓ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو غلط کہنا ہی ہو گا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح اور غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔" (صفحہ ۱۵۳)

ملوکیت کا آغاز اسی قاعدے کی تبدیلی سے ہوا حضرت معاویہؓ کی خلافت اسی نوعیت کی خلافت نہ تھی کہ مسلمانوں کے بنانے سے وہ خلیفہ بنے ہوں اور اگر مسلمان ایسا کرنے پر راضی نہ ہوتے تو وہ نہ بنتے وہ بہرحال خلیفہ ہونا چاہتے تھے انہوں نے لڑ کر خلافت حاصل کی مسلمانوں کے راضی ہونے پر ان کی خلافت کا انحصار نہ تھا۔ (صف

(۱۵۸

"حضرت معاویہؓ خود بھی اس پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتے تھے اپنے زمانہ خلافت کے آغاز میں انہوں نے مدینہ طیبہ میں تقریر کرتے ہوئے خود فرمایا :

"بخدا میں تمہاری حکومت کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ تم میرے برسراقتدار آنے سے خوش نہیں ہو اور اسے پسند نہیں کرتے اس معاملہ میں جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے میں خوب جانتا ہوں مگر میں نے اپنی اس تلوار کے زور سے تم کو مغلوب کرکے اسے لیا ہے—— اب اگر تم یہ دیکھو کہ میں تمہارا حق پورا پورا ادا نہیں کر رہا ہوں تو تھوڑے پر مجھ سے راضی رہو۔"

اس طرح جس تغیر کی ابتدا ہوئی تھی یزید کی ولی عہدی کے بعد سے وہ ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفےٰ کمال کے الغائے خلافت تک ایک دن کے لیے بھی اس میں تزلزل واقع نہ ہوا اس سے جبری بیعت اور خانوادوں کی موروثی بادشاہت کا ایک مستقل طریقہ چل پڑا اس کے بعد سے آج تک مسلمانوں کو انتخابی خلافت کی طرف پلٹنے کا کوئی موقع نصیب نہ ہو سکا۔ لوگ مسلمانوں کے آزادانہ اور کھلے مشورہ سے نہیں بلکہ طاقت سے برسراقتدار آتے رہے۔ بیعت سے اقتدار حاصل ہونے کے بجائے اقتدار سے بیعت حاصل ہونے لگی بیعت کرنے یا نہ کرنے میں مسلمان آزاد نہ رہے بیعت کا حاصل ہونا اقتدار پر قابض ہونے اور قابض رہنے کے لیے شرط نہ رہا۔ لوگوں کو اول تو یہ مجال نہ تھی کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آیا ہوا تھا اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے لیکن اگر وہ بیعت نہ بھی کرتے تو اس کا نتیجہ ہرگز یہ نہ ہوتا کہ جس کے ہاتھ میں اقتدار آگیا ہو وہ ان کے بیعت نہ کرنے کی وجہ سے ہٹ جائے۔ (صفحہ ۱۵۹)

"دوسری نمایاں تبدیلی یہ تھی کہ دور ملوکیت کے آغاز ہی سے بادشاہ قسم کے خلفاء نے قیصر و کسریٰ کا سا طرز زندگی اختیار کر لیا اور اس طریقہ کو چھوڑ دیا جس پر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور چاروں خلفاء راشدین زندگی بسر کرتے تھے انہوں نے شاہی محلات میں رہنا شروع کر دیا۔ (صفحہ ۱۶۰)

"تیسری اہم تبدیلی بیت المال کے متعلق خلفاء کے طرز عمل میں رونما ہوئی۔ بیت المال کا اسلامی تصور یہ تھا کہ وہ خلیفہ اور اس کی حکومت کے پاس خدا اور خلق کی

امانت ہے جس میں کسی کو من مانے طریقہ پر تصرف کرنے کا حق نہیں ہے خلیفہ نہ اس کے اندر قانون کے خلاف کوئی چیز داخل کر سکتا ہے نہ قانون کے خلاف اس میں سے کچھ خرچ کر سکتا ہے۔ وہ ایک ایک پائی کی آمد و خرچ کے لیے جواب دہ ہے اور اپنی ذات کے لیے وہ صرف اتنی تنخواہ لینے کا حقدار ہے جتنی ایک اوسط درجہ کی زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہو۔

"دور ملوکیت میں بیت المال کا یہ تصور اس تصور سے بدل گیا۔ کہ خزانہ بادشاہ اور شاہی خاندان کی ملک ہے رعیت بادشاہ کی محض باجگزار ہے اور کسی کو حکومت سے پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ اس دور میں بادشاہوں اور شہزادوں کی بلکہ ان کے گورنروں اور سپہ سالاروں تک کی زندگی جس شان سے بسر ہوتی تھی وہ بیت المال میں بے جا تصرف کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھی۔ (صف ۱۴۱)

"اس دور کے تغیرات میں سے ایک اور اہم تغیر یہ تھا کہ مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی گئی تھی حالانکہ اسلام نے اسے مسلمانوں کا صرف حق ہی نہیں بلکہ فرض قرار دیا تھا اور اسلامی معاشرہ و ریاست کا صحیح راستہ پر چلنا اس پر منحصر تھا کہ قوم کا ضمیر زندہ اور اس کے افراد کی زبانیں آزاد ہوں۔ ہر غلط کام پر وہ بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں۔ (صف ۱۴۳)

"قضا کی انتظامیہ سے آزادی کا اصول بھی اسلامی ریاست کے بنیادی اصولوں میں سے تھا خلافت راشدہ میں قاضیوں کا تقرر اگرچہ خلفا ہی کرتے تھے مگر جب کوئی شخص قاضی مقرر ہو جاتا تھا تو اس پر خدا کے خوف اور اس کے اپنے علم و ضمیر کے سوا کسی کا دباؤ نہ رہتا تھا کوئی بڑے سے بڑا شخص بھی عدالت کے کام میں دخل دینے کی جرات نہ کر سکتا تھا حتیٰ کہ قاضی خود خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتے تھے اور دیتے تھے مگر جب ملوکیت آئی تو بالآخر یہ اصول بھی ٹوٹنا شروع ہو گیا۔ جن معاملات سے ان بادشاہ قسم کے خلفاء کو سیاسی اسباب یا ذاتی مفاد کی بنا پر دلچسپی ہوتی تھی ان میں انصاف کرنے کے لیے عدالتیں آزادانہ رہیں حتیٰ کہ شاہزادوں، گورنروں، قائدین اور شاہی محلات کے متوسلین تک کے خلاف مقدمات میں عدل کرنا مشکل ہو گیا۔ (صف ۱۴۷ تا ۱۴۸)

اسلامی ریاست کے بنیادی قواعد میں سے ایک اہم قاعدہ یہ تھا کہ حکومت مشورہ

سے کی جائے اور مشورہ ان لوگوں سے لیا جائے جن کے علم' تقویٰ' دیانت اور اصابت رائے پر امت کو اعتماد ہو خلفائے راشدین کے زمانہ میں قوم کے بہترین لوگ ان کے مشیر تھے جو دین کا علم رکھنے والے اور اپنے علم و ضمیر کے مطابق پوری آزادی کے ساتھ بے لاگ رائے دینے والے ہوتے تھے۔ پوری قوم کو ان پر یہ اعتماد تھا کہ وہ حکومت کو غلط راستے پر نہ جانے دیں گے۔ یہی لوگ امت کے اہل الحل العقد تسلیم کئے جاتے تھے مگر جب ملوکیت کا دور آیا تو یہ قاعدہ بھی بدل گیا شوریٰ کی جگہ شخصی استبداد نے لے لی۔ حق شناس اور حق گو اہل علم سے بادشاہ اور بادشاہوں سے یہ لوگ دور بھاگنے لگے۔ (صف ۱۴۸)

ایک اور عظیم تغیر جو اس دور ملوکیت میں رونما ہوا وہ یہ تھا کہ اس میں قوم' نسل' وطن اور قبیلہ کی وہ تمام جاہلی عصبیتیں پھر سے ابھر آئیں جنہیں اسلام نے ختم کر کے خدا کا دین قبول کرنے والے تمام انسانوں کو یکساں حقوق کے ساتھ ایک امت بنایا تھا بنی امیہ کی حکومت ابتدا ہی سے ایک عرب حکومت کا رنگ لئے ہوئے تھی جس میں عرب مسلمانوں کے ساتھ غیرعرب نومسلموں کے مساوی حقوق کا تصور قریب قریب مفقود تھا اس میں اسلامی احکام کی صریحی خلاف ورزی کرتے ہوئے نومسلموں پر جزیہ لگایا گیا جیسا کہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے نہ صرف اشاعت اسلام میں شدید رکاوٹ پیدا ہوئی بلکہ عجمیوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ اسلامی فتوحات نے دراصل ان عربوں کا غلام بنا دیا ہے اور اب وہ اسلام قبول کر کے بھی ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ (ص ۱۶۹۔ ۱۷۰)

"سب سے بڑی مصیبت جو ملوکیت کے دور میں مسلمانوں پر آئی وہ یہ تھی کہ اس دور میں قانون کی بالاتری کا اصول توڑ دیا گیا حالانکہ وہ اسلامی ریاست کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے تھا۔

"اسلام جس بنیاد پر دنیا میں اپنی ریاست قائم کرتا ہے وہ یہ ہے کہ شریعت سب پر بالا رہے۔ حکومت اور حکمران رعیت اور راعی' بڑے اور چھوٹے' عوام و خواص سب اس کے تابع ہیں کوئی اس سے آزاد یا مستثنیٰ نہیں اور کسی کو اس سے ہٹ کر کام کرنے کا حق نہیں۔ دوست ہو یا دشمن' حربی کافر ہو یا معاہد مسلم رعیت ہو یا ذمی مسلمان وفادار ہو یا باغی یا برسر جنگ غرض جو بھی ہو شریعت میں اس سے برتاؤ کرنے کا

ایک طریقہ مقرر ہے جس سے کسی حال میں تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔۔۔۔۔ مگر جب ملوکیت کا دور آیا تو بادشاہوں نے اپنے مفاد اپنی سیاسی اغراض اور خصوصاً" اپنی حکومت کے قیام و بقا کے معاملہ میں شریعت کی عائد کی ہوئی کسی پابندی کو توڑ ڈالنے اور اس کی باندھی ہوئی کسی حد کو پھاند جانے میں تامل نہ کیا۔ اگرچہ ان کے عہد میں بھی مملکت کا قانون اسلامی قانون ہی رہا۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی آئینی حیثیت کا ان میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا عدالتیں اسی قانون پر فیصلے کرتی تھیں اور عام حالات میں سارے معاملات شرعی احکام ہی کے مطابق انجام دے جاتے تھے لیکن ان بادشاہوں کی سیاست دین کی تابع نہ تھی۔ اس کے تقاضے وہ ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے پورے کرتے تھے اور اس معاملہ میں حلال و حرام کی تمیز روا نہ رکھتے تھے۔ (صف ۱۷۲ تا ۱۷۳)

یہ پالیسی حضرت معاویہؓ کے عہد ہی سے شروع ہو گئی تھی۔ (صف ۱۷۳)

حضرت معاویہ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لیے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ (صف ۱۷۹)

خشت اول چون نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج ر ر

اس شعر کے مصداق جب بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ و آلہ وسلم ملوکیت کی پہلی اینٹ حاکمیت اللہ' اطاعت رسول و اولی الامر کے خلاف رکھی گئی تو آج تک خلافت الیہ قائم نہ ہو سکی۔ کتاب اللہ کی تعبیریں اور تفسیریں اپنے مفاد' سیاسی اغراض ملوکیت کی بقا کے لیے کی گئیں۔ قانون الٰہی اور فرمان رسولؐ کی دھجیاں کس طرح اڑائی گئیں۔ مسلمان خلفاؤں نے قرآن کو تو مانا مگر اس کے احکام کی پابندی نہ کی۔ فرمان رسولؐ کو حدیث تو تسلیم کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا اور اپنا حکم جاری کیا اولی لامر جس کا تقرر ہر زمانہ میں بحکم خدا ہی اور رسولؐ کی زبانی ہوا مگر اس کو سرے سے ہی فراموش کر کے خود اولی الامر بن بیٹھے اور جب اولی الامر بن گئے تو اب کیا تھا قانون الٰہی اور سنت رسولؐ ان کے تابع ہو گیا کیونکہ خود ظل اللہ ہو گئے۔ حدیثیں گھڑی جانے لگیں اسلام کے نام پر سب کچھ ہوا۔ مسلمانوں کے لیے یہ غور کا مقام ہے کہ یہ مظلوم اسلام

ظالموں کے ہاتھوں میں رہا اور ظلم برداشت کرتا رہا۔ رسالتمآبؐ کو اپنا مشن پورا کر کے یہ فرما کر کہ "میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت و اہل بیت تم ان سے تمسک رکھنا" اس دنیا سے چلے گئے اور ہم نے اس فرمان کو بھی بدل ڈالا اور اہل البیت کے بجائے "سنت" کر دیا اس لیے کہ ہمارا مقصد پورا ہو جائے اور جب اور جیسے ہم چاہیں سنت کو بدل دیں اور وہ سنت رسول بن جائے گی اور ہماری ملوکیت باقی رہے گی۔ مسلمانوں ذرا غور کرو کہ اسلام کا نام ضرور ہے لیکن کیا روح اسلام باقی ہے نماز' روزہ' حج' زکوۃ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن کیا ایمان بھی ہے؟ اگر اس کی ایک رمق بھی ہوتی تو مسلمان مومن ہو جاتا۔ اوامر و نواہی واضح طور پر قرآن میں موجود لیکن پھر بھی دنیاوی قوانین کو اس کے مطابق بنایا جا رہا ہے یا یوں سمجھ لیجیے کہ اوامر و نواہی کو ضرورت کے مطابق کیا جا رہا ہے کیا پروردگار عالم نے کسی فرد کو قانون بنانے کا اختیار دیا ہے وہ تو خود خالق قانون ہے دیکھیے کتنا جامع واضح اور مختصر قانون ہے۔ اس پر عمل کتنا آسان ہے پھر ہم اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اس لیے کہ ہمارے ذاتی مفاد و اغراض سامنے آ جاتے ہیں اور ہم یہ کہہ کر چھٹکارا حاصل کرتے ہیں کہ ان کی توضیحات اور توجیہات مختلف کی گئی ہیں اس لیے قابل عمل بنایا جا رہا ہے ہم نے کتاب اللہ کو کافی سمجھا اور دوسری گرانقدر ہستی جو حامل قانون الٰہی ہے اس کو ترک کیا تو ظاہر ہے کہ ہماری توضیحات اور توجیہات تو مختلف ہی ہوں گی۔ خلیفہ نما بادشاہوں نے خود اولی الامر کا عہدہ سنبھال کر ملوکیت کو اتنا دوام بخشا کہ اب خلافت الہیہ کا قیام ناممکن نظر آتا ہے اگر وہ مرد مومن جو علم الٰہی سے متصف ہو جو صاحب الامر ہو ظہور فرمائے تب ہی خلافت الہیہ قائم و دائم ہو سکے گی۔

قرآن ہمارا دستور و قانون ہے

قرآن کریم سے یہ ثابت ہو چکا کہ پروردگار عالم اس کائنات کا' مالک و فرمانروا اور منتظم ہے اور حاکیت کے جملہ اختیارات صرف اللہ ہی کو حاصل ہیں اور ماسوا اس کی ذات کے کوئی اور ان اختیارات کا حامل نہیں وہ کائنات کا بھی حاکم ہے اور انسانی معاملات میں بھی اسی کی حاکیت ہے۔ قرآن پاک کا یہ فیصلہ ہے کہ اطاعت اللہ کی اور

پیروی صرف اس کے قانون کی ہونی چاہئے اللہ کے حکم کے خلاف جو بھی حکم ہے وہ نہ صرف غلط اور ناجائز ہے بلکہ ظلم و فسق و ضلالت ہو گا اور اس طرح کا ہر فیصلہ ناجائز تصور ہو گا۔ قرآن کریم ہی وہ کتاب ہے جو ہمارے لیے قابل پابندی ہے پروردگار عالم نے خلافت ایسے اسی قانون کے نافذ کرنے کے لیے قائم فرمائی۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب صرف نماز ہی قائم کرنا نہیں بلکہ اللہ کا قانون اور نظام شریعت قائم کرنا بھی ہے جہاں یہ چیز قائم نہ ہو وہاں نماز اگر قائم ہو بھی تو گویا ادھورا دین قائم ہوا جہاں اس کو رد کرکے کوئی قانون اختیار کیا جائے وہاں کچھ اور نہیں خود دین اللہ رد کر دیا گیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا دستور خداوندی میں جو جو قوانین بیان کئے گئے ہیں وہ قابل ترمیم و تنسیخ ہیں یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ تفسیر قرآن میں مابین فرقہ ہائے اسلامیہ کیوں اختلاف ہوا۔ پہلے سوال کا جواب تو قطعی نفی میں ہے اور اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ قانون الٰہی میں ترمیم و تنسیخ کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ یہی وہ قانون ہے جس کی پابندی سب پر لازم ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ قانون سازی کا حق صرف اور صرف پروردگار عالم کو ہی حاصل ہے جیسا کہ ان آیات سے واضح ہے :

ان الدین عند اللہ الاسلام ۞

الا لہ الخلق والامر طتبارک اللہ رب العالمین (پ ۸ اعراف)

ان الحکم الا اللہ (پ ۷ الانعام آیت ۵۷)

الا لہ الحکم وھوا شرع الحاسبین (پ ۷ الانعام ۳)

یقولون ھل انا من الامر من شئی قل ان الامر کلہ اللہ (پ ۴ العمران)

اس لیے قانون الٰہی میں انسان تو کیا خود رسولؐ کو بھی یہ اختیار نہیں کہ ترمیم و تنسیخ کر سکیں چنانچہ ارشاد رب العزت ہے۔

اذا اتتلی علیھم اتینا بینت قال الذین لا یرجون تعائنا
ایت بقران غیر ھذا اوبدلہ ط قل ما یکون لی ان بدلہ من
تلقائی نفسی ان اتبع الا ما یوحٰی الا انی اخاف ان
عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۞ (پ ۱۱ سورہ یونس ع ۲)

ترجمہ : اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری کھلی ہوئی آیات تو جو لوگ ہماری

ملاقات کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس کو بدل دو۔ تم کہہ دو یہ میرا کام نہیں کہ میں اپنے جی سے اس کو بدل دوں۔ میں تو اس کا اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اپنے قوانین قدرت کے متعلق ارشاد ہے :

لن تجد لسنته الله تبديلا

ترجمہ : اللہ کی سنت کو ہرگز بدلا ہوا نہ پاؤ گے۔

جہاں تک دوسرے سوال کا تعلق ہے کہ مابین فرقہ اسلامیہ تفسیر قرآن' میں اختلاف کیوں پایا جاتا ہے اس کا جواب سمجھنے کے لیے قرآن کریم کی درج ذیل آیت پر کچھ روشنی ڈالنا پڑے گی۔

هو الذى انزل عليك الكتاب منه ايت محكمات هن ام الكتب واخر متشابهات فاما الذين فى قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنته وابتغاء تاويله وما يعلم يقولون امنا به كل من عنر ربنا ومايذكر الا الو الالباب ○ (پ ۳ ع ۹ آل عمران ۱)

ترجمہ : وہ وہی (ذات اقدس) ہے جس نے نازل کی تم پر کتاب اس میں بعض آیتیں محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور دوسری (باقی سب) متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے پیروی کرتے ہیں اس کی جو اس میں متشابہ ہیں شورش (فتنہ) ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کے (غلط) مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے اور اس کی حقیقت (صحیح مطلب) نہیں جانتا کوئی بجز اللہ اور جو علم میں راسخ ہیں کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت پاتے مگر صاحبان عقل"

اس آیت ولافی ہدایہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے ایک محکم اور دوسرے متشابہ۔ اصل کتاب آیات محکم میں ہے اب ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ محکم اور متشابہ کا مفہوم کیا ہے تو محکم کے متعلق تو مابین علماء امت کوئی اختلاف نہیں کہ ایسا کلام جس کے الفاظ سے جو ظاہری مفہوم ذہن میں آئے وہی اس کا مطلب ہو محکم ہے مثلاً" کلووا شرلو ولا تسرفو (کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو) یعنی ضرورت کے مطابق ہی کھاؤ پیو ضرورت سے زیادہ نہیں یہاں الفاظ کے جو ظاہری معنی ہیں وہی اصل مراد بھی ہیں متشابہ کے معنی ہیں "ظاہری شکل و صورت میں ایک جیسا ہونا" اس معنی میں بھی یہ لفظ کلام پاک میں کئی مقامات پر آیا ہے جیسا کہ درج ذیل آیت سے واضح ہے۔ کلما رزقو منها من ثمرة رزقا" قالوا هذا الذی رزقنا من قبل واتوبه متشابها ○ (سورہ بقر رکوع ۳)

ترجمہ : جب بھی رزق دیا گیا ان کو اس سے کوئی پھل کہنے لگے یہی تو وہ ہے جو ہمیں پہلے رزق دیا گیا تھا حالانکہ جو ان کو دیا گیا وہ شکل و صورت میں ایک جیسا ہے۔

اس معاملہ میں کئی اختلاف ہیں بعض جو لفظ متشابہ سے تو تمثیل و استعارہ ہی مراد لیتے ہیں مگر اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن میں متشابہ آیات ہیں اور کہتے ہیں کہ سورہ آل عمران کی درج بالا آیت میں جو لفظ کتاب ہے وہ اور کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور چونکہ یہاں هذا القرآن نہیں کہا گیا لہٰذا یہاں لفظ کتاب سے قرآن مراد نہیں اور قرآن میں متشابہ آیات نہیں ہیں تو اس قول کے ماننے والوں کی توجہ قرآن کریم کی اس آیت کی طرف دلائی جاتی ہے۔

انه لقرآن کریم○ فی کتاب مکنون○ لا یمسه الا المطهرون○ تنزیل من رب العالمین (سورہ واقعہ)

ترجمہ : اور بے شک وہ قرآن کریم پوشیدہ کتاب میں ہے۔ اسے مس نہیں کرتے سوائے پاک شدہ لوگوں کے رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ۔

اس آیت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن رب کی نازل کردہ کتاب مکنون میں ہے۔ پس جب قرآن اور کتاب دو علیحدہ علیحدہ چیزیں نہیں ہیں تو قرآن میں متشابہ آیات سے انکار کرنا کیا معنی مذکور الصدر گروہ کے سوائے تمام فرقہ اسلامیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ متشابہات سے مراد استعارے اور تشبیہیں ہیں۔ کلام اللہ میں زیادہ تر

آیات متشابہ ہیں اور محکم کم ہیں۔ مگر اس کا تعین کہ کتنی آیات متشابہ ہیں اور کتنی محکم اور ان دونوں میں فرق کیا ہے مشکل ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں احادیث رسولؐ اور کلام پاک کی طرف ہی رجوع کرنا پڑتا ہے۔

حدیث : من عرف نفسه فقد عرف ربه

ترجمہ : جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔

سنریهم اٰیتنا فی الاٰفاق وفی انفسهم حتٰی یتبیّن لهم انه الحق ○ حم سجده ع ٦ پ ٢٥)

ترجمہ : عنقریب ہم دکھلائیں گے ان کو اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں یہاں تک کہ آشکار ہو جائے گا کہ بے شک یہ حق ہے۔

اس حدیث اور آیتہ مجیدہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر حق کی تلاش کرنا ہے تو وہ نفس کی اندرونی آیات میں تلاش کرنے سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

فاقم وجهک للدین حنیفا فطرت الله التی فطر الناس علیها لا تبدیل لخلق الله ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون○

ترجمہ : پس قائم کر لے اپنے نفس کو دین کے لیے یکسو ہو کر کہ وہ فطرت اللہ کی ہے جس پر لوگوں کو خلق یا فطر کیا اللہ کی خلقت میں تبدیلی نہیں۔ یہی سیدھا (یا مضبوط) دین ہے لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

ونفس وما سواها فالهمها فجورها وتقواها ○

ترجمہ : قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو پورا کیا الہام کر دین اس پر اس کی برائیاں اور بھلائیاں۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل دین اور عین اسلام خدا کی بنائی ہوئی وہ فطرت ہے جو اپنے نفس انسان میں ڈالی ہوئی ہے اس نے تمام اچھائیاں اور برائیاں انسان پر الہام کر دیں۔ یہی قانون فطرت اور قانون الہی ہے۔ دین فطرت کے اگر کہیں راز مل سکتے ہیں تو وہ نفس انسان ہی میں ملیں گے۔ اسلام دین فطرت ہے نفس انسان کا کسی بات کو سمجھنا اس کے ان احساسات اور کیفیات کے خزانوں پر منحصر ہے جو سابقہ

تجربات سے ان کے اندر جمع ہو گئے ہیں اور اس کے اندر موجود ہیں لہٰذا یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی تمام آیات و احادیث جن کا تعلق عالم محسوس سے ہے اور جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے وہ محکمات ہوں گی اس اصول کے پیش نظر مندرجہ اقسام کی آیات و احادیث کے محکم ہونے میں شک و شبہ نہیں معلوم ہوتا۔

(۱) الاوامر : ایسی تمام آیات و احادیث جن میں کسی فعل یا عمل کے کرنے یا اس کو کسی خاص طور پر بجا لانے کا حکم دیا گیا ہو محکم ہیں۔
جیسے کلو من طیبت مما رزقنکم○ (کھاؤ پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو رزق دیا ہے)

(۲) نواہی : ایسی تمام آیات اور احادیث جن میں کسی فعل یا عمل سے منع کیا گیا ہو۔
محکم ہیں جیسے : جیسے لا تقولو من یقتل فی سبیل اللہ اموات (جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ کہو)

(۳) ایسی تمام آیات و احادیث جن میں امم سابقہ کے عوام کے حالات ان کی کیفیات نفسی (نہ کہ انبیاء کی) امت کی نافرمانیاں' ان پر نزول عذاب اور ان کی ہلاکت کا ذکر ہے محکم ہیں۔

(۴) ایسی تمام آیات و احادیث جن میں معاشرت و تمدن کے متعلق تعلیم ہو مثلاً" عقد و طلاق و میراث' حقوق ذوی القربیٰ' پڑوسیوں کے حقوق' خدمت خلق وغیرہ محکم ہیں۔

(۵) ایسی تمام آیات و احادیث جن میں عالم مادی کی تمثیلیں بیان کی گئی ہوں مثلاً" ابر و برق و باران' سمندر' دریا' پہاڑ وغیرہ کی مثالیں اور تذکرے ہوں محکم ہیں۔

(۶) ایسی تمام آیات و احادیث جن میں نفس انسان کی ایسی کیفیات کا ذکر ہو جو ہر شخص کے نفس پر طاری ہوتی رہتی ہے اور ان کا احساس بھی ہوتا رہتا ہے محکم ہیں۔

(۷) ایسی تمام آیات و احادیث جن میں ایمان لانے اسلام قبول کرنے یا دین و ایمان کا ذکر ہو قریب قریب محکم ہوں گی اگرچہ پوری پوری محکم

نہ ہوں گی۔

ہم نے دیکھا کہ قرآن کا اصل قانون ان ہی محکم آیات میں ہے جو واضح اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے تو اس آیت میں ام الکتاب سے مراد اصل قانون ہے اور لفظ کتاب سے مراد قانون الٰہی ہے اور متشابہ آیات مثالیں ہیں جن میں ہمارے لیے ان ہی احکامات کی پابندی کو مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے۔ قرآن کریم ہی وہ دستور ہے جس پر عمل کرنے سے انسان انسان بن سکتا ہے یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جس میں وہ اسرار و رموز درج ہیں جو بنی نوع انسان کو ایک اعلیٰ مقام پر پہنچا سکتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے شورش و فتنہ برپا کرنے کے لیے متشابہ آیات کا غلط مطلب نکالتے ہیں اور اس کی حقیقت جاننے کی کوشش نہیں کرتے جیسا کہ آیت ھوالذی انزل الکتاب سے واضح ہے کہ ان آیات کی حقیقت سوائے اللہ اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں کوئی نہیں جانتا تو ہمیں معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے ایسے راسخ لوگوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں وہی جو علم قرآن رکھتے ہیں ماسوا حضور سرور کائنات اور ائمہ معصومین علیہم السلام ہمیں کوئی اور شخص قرآن نہیں سمجھا سکتا۔ اس موقع پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ پروردگار عالم نے آخر قرآن پاک کا علم عام کیوں نہیں کیا اور صرف راسخون فی العلم کو ہی کیوں عطا فرمایا تو اس سلسلہ میں حضرت امیرالمومنین علیؑ علیہ السلام کا ارشاد سامنے آتا ہے :

"پروردگار عالم کی رحمت چونکہ بہت بڑی وسیع ہے اور وہ اپنی مخلوق پر بہت مہربان ہے وہ یہ جانتا تھا کہ بدل ڈالنے والے اس کے کلام میں بہت سے تغیرات پیدا کر دیں گے اس لئے اس نے اپنے کلام کو تین قسم پر منقسم فرمایا ہے ایک قسم تو ایسی ہے کہ اسے عالم اور جاہل سب جانتے ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جسے وہی لوگ جانتے ہیں جن کے ذہن صاف ہیں۔ حس لطیف ہے، تمیز صحیح ہے اور جن کے سینے پروردگار عالم نے اسلام کی خوبیاں سمجھنے کے لیے کھول دیئے ہیں اور تیسری قسم وہ ہے جس کو سوائے خدا انبیاء اور راسخوں فی العلم کے کوئی نہیں جان سکتا اور پروردگار عالم نے ایسا اس لیے کیا کہ اہل باطل جو میراث رسول پر غاصبانہ قابض ہو جائیں وہ اس علم کتاب کا دعویٰ نہ کر

سکیں جس میں سے فی الحقیقت خدا نے ان کے لیے کوئی حصہ مقرر ہی نہیں کیا ہے۔ بلکہ یہ نوبت پیش آئے کہ جن کو خدا نے اپنا ولی مقرر کیا ہو اور ان کی اطاعت سے خدا پر بہتان باندھ کر اور ان لوگوں کی کثرت پر نازاں ہو کر جو ان کی اطاعت اور نصرت کو کمربستہ ہو گئے ہوں اور خدا اور اس کے رسول سے علانیہ مخالفت کرکے اپنی عزت بنانے کے لیے منکر ہو گئے ہوں مگر جب علم کتاب کے متعلق کوئی آکر سوال پیش کرے تو مضطر و پریشان ہو کر ان ہی کی خدمت میں حاضر ہوں اور حل مطالب کے لیے ان ہی کو اپنا امیر بنائیں۔"

اب ہمیں معلوم ہوا کہ پروردگار عالم نے علم کتاب راسخون فی العلم کو کس لیے دیا تاکہ اہل باطل میراث رسول پر غاصبانہ قابض نہ ہو جائیں بلکہ حل مشکلات کے لیے رسولؐ اور آل رسول کی خدمت ہی میں پیش ہوں اور ان ہی ذوات مقدسہ کو امیرؑ خلیفۃ اللہؑ ولی اللہ اور اولی الامر ماننے پر مجبور ہوں اگر ایسے لوگ خود دعویٰ علم کتاب کریں تو باطل ہو جائے اسی لیے تو ہر موقع پر جب حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے ہر سہ خلافتوں میں کسی مسئلہ کا حل فرمایا ہے تو خلیفہ وقت کو کہنا پڑا لو لا علی لہلک عمر اور ماننا پڑا کہ درحقیقت یہی ذوات مقدسہ وارث علم کتاب ہیں اور ان ہی کی پیروی اصل دین ہے لیکن اہل باطل تو ہمیشہ اس سے گریز کرتے رہے تب ہی تو قرآن مجید صاف صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔

واذا قیل لهم اتبعوا ما انزل الله قالو بل نتبع ما الفینا علیه اباءنا ط (سورہ بقرع ۲۱)

ترجمہ : اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس کی جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اسی پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا۔

آگے چل کر قرآن کریم ہمیں ڈراتا ہے :

واتبعوا احسن ماانزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتته وانتم لا تشعرون (سورہ زمر ع ۶)

ترجمہ : اور اس نیک بات پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے۔ قبل اس کے کہ تم پر اچانک ہی عذاب آ جائے اور تم کو

شعور بھی نہ ہو۔

اس مختصر سی بحث سے ہمیں علم ہوا کہ قانون الٰہی ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے اور نہ ہی یہ قانون خدا بدل سکتا ہے۔ وہ آیات محکمات جو اصل قرآن ہیں بنی نوع انسان کے لیے قابل پابندی دستور ہے اور اس دستور و قانون کو سمجھانے کے لیے پروردگار عالم نے تشبیہات و استعارات کے ذریعہ اور قصص کے ذریعہ آیات متشابہات بیان فرمائی ہیں جن میں اصل قانون الٰہی کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔ مشکل ہمارے سامنے یہ آتی ہے کہ فرمان روایان مملکت اس قرآن کا سہارا لے کر اس میں نئی نئی توجیہات کرکے اپنا مطلب نکالنے کی غرض سے نہ صرف آیات متشابہات بلکہ آیات محکمات کی بھی عجیب عجیب تلمیحات اور توضیحات خود کرتے ہیں یا کراتے ہیں تاکہ ان کی فرمانروائی کو استحکام حاصل ہو۔ اگر یہ فرمانروایان قرآن کریم کی وضاحتوں کے لیے راسخون فی العلم کی طرف رجوع کریں تو ان کا اپنا مقصد مجروح ہوتا ہے اسی لیے وہ اس طرف نہیں آتے اور خود توضیحات کرکے عذاب کا شکار ہوتے ہیں۔

امیر الاسلام

ہم نے اس پر روشنی ڈالی کہ حاکمیت اللہ کی ہے اور قانون بھی اسی کا وضع کردہ ہے جس کی پابندی کا حکم پروردگار عالم نے ہمیں دیا ہے اولی الامر بھی منجانب اللہ ہی مقرر ہوتا ہے جو قانون الہٰی ہم پر نافذ کرتا ہے۔ خلافت الٰہیہ جس کا قیام حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہوا پھر جناب ابراہیم علیہ السلام کو منصب امامت پر فائز کیا گیا لیکن ان کی ذریت میں خلافت الٰہیہ کا یہ منصب ہر کس و ناکس کو نہیں پہنچا بلکہ ظالمیہ کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ حتیٰ کہ یہ منصب جناب امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام تک پہنچا اور آپ کے بعد یہ سلسلہ آپ کے بارھویں جانشین حضرت صاحب العصر والزمان تک آیا جن کی حکومت روز قیامت تک جاری ہے اور آپ ہی کی جانب سے احکامات صادر ہوتے ہیں اور آپ ہی کی ذات بابرکت حامل امر پروردگار عالم ہے اب ہم اس سوال پر غور کرتے ہیں کہ جب آپ عالم غیبت میں ہیں تو اگر اسلامی مملکت کا امیر بنانا مقصود ہو تو کس طرح بنایا جائے قبل اس کے کہ اس سوال کا جواب دیا جائے یہ ضروری ہے کہ زمانہ حال کے مسلمانوں کی تصویر کشی کی جائے کیا یہ مسلمان نظریہ اسلام کے مطابق ایک مرکز پر جمع بھی ہیں یا نہیں؟ کیا مسلمان مومن کی صفات کے حامل ہیں یا نہیں؟ کیا ان مسلمانوں میں منافق بھی ہیں یا نہیں؟ کیا یہ مسلمان فرقوں میں منقسم اور صوبائی ملکی اور نسلی امتیازات کا شکار ہیں یا نہیں؟ کیا مسلمان آپس کے اختلافات میں پھنسے ہوئے ہیں یا نہیں؟ کیا قرآن مجید ان مسلمانوں کے حلق سے نیچے اتر کر ان کے دلوں پر اثرانداز بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا مسلمان اللہ، اس کی کتاب اس کے رسولؐ اور ان کے جانشینوں کی اطاعت صحیح معنوں میں کرتے ہیں یا نہیں؟ ان تمام سوالوں پر اگر غور کیا جائے تو مشکل سے صحیح مسلمان خال خال نظر آئیں گے پروردگار عالم تو فرماتا ہے۔

واعتصمو بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقو (سورہ آل عمران ع ۱۱)

ترجمہ : اور مضبوط پکڑ لو اللہ کی رسی کو اور فرقہ فرقہ اور گروہ گروہ نہ ہو جاؤ۔

ولا تکونو کالذین تفرقو واختلفوا من بعد ما جاء ھم البینات واولئک لھم عذاب عظیم ○

ترجمہ : اور ان لوگوں کی مانند نہ ہو جانا جو فرقہ فرقہ ہوئے اور آپس میں اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکی تھیں ان ہی کے لیے تو بڑا عذاب ہے۔

ہم نے ان احکامات کو پس پشت ڈالا فرقہ فرقہ بن گئے۔ ایمان جاتا رہا عذاب کے لائق ہو گئے۔ اسلام تو مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہتا ہے۔ ایک خدا' ایک کتاب اور ایک رسولؐ کو ماننے کا فائدہ یہی ہے کہ توحید فکری پیدا ہو جائے۔ سب کے سوچنے کا ڈھنگ ایک ہو جائے سب ایک امر پر متفق ہو جائیں۔ غیر اسلامی قومیں اور غیر مسلم طاقتیں جو اس وقت اس دنیا کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہیں اور ہر چھوٹے ملک اور چھوٹی قوم کو اپنا دست نگر بنائے ہوئے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی یا اس سے زائد سے جمہوریت کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے دلوں سے روح اسلام کو مٹا دینے کے درپے ہیں۔ جمہوری نظام حکومت جس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ "حکومت عوام کی عوام کے لیے اور عوام کے ذریعہ" کا نظریہ اس قدر ذہنوں میں راسخ کر دیا گیا ہے کہ حاکمیت اللہ کا تصور بھی اذہان سے مٹ چکا ہے۔ اس جمہوری نظام حکومت کا نتیجہ سیاسی پارٹیوں کا وجود میں آنا دشمنیوں کا پیدا ہونا' ہوس و اقتدار کا ابھرنا اور حاکم بننے اور اختیارات اعلیٰ حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف ہونے کے سوا اور کچھ نہیں ہوا اگر کچھ ہوا تو یہ ہوا کہ اللہ اس کی کتاب اور اس کے رسولؐ کو بھلا دیا۔ ہمیں مثالیں ان ترقی یافتہ ممالک کو دی جاتی ہیں جو آسمان کی خبریں لاتی ہیں کہ ان ممالک میں بھی تو جمہوریت ہے اور وہ قومیں بھی تو کثرت رائے پر عامل ہیں بھلا اس زمانہ میں دنیا کا ساتھ کیسے چھوڑ دیں اہل عالم کی نظر میں ہمارا وقار گر جائے گا اور اگر ہم زمانے کے ساتھ نہ چلے تو ترقی نہ کر سکیں گے کیا خوب ذرا غور کریں تو معلوم ہو گا کہ جب کسی کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ کسی سے طاقت' دولت' ثروت' علم و ہنر میں کم ہے تو محرومی کا شکار ہو کر خوف زدہ ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ خوف مطلب میں تبدیل ہو جاتا ہے اور مرعوب ہونے کے بعد قوت تنقید مفقود ہو جاتی ہے عقل کام نہیں کرتی اور اس صاحب دولت و ثروت کا ہر عیب ثواب نظر آنے لگتا ہے اور اس کی نقل کرنے کی خواہش شدید پیدا ہو جاتی ہے جس کو وہ فخر سمجھنے لگتا ہے۔ کبھی یہ بھی سوچا کہ مغرب کی ترقی کا راز کیا ہے۔ اس کا سبب قوانین فطرت کا علم حاصل کرنا ہے جو مغرب کے

معدودے چند سائنس دانوں کی محنتوں کا ثمرہ ہے کیا ترقی کا سبب عوام کالانعام ہوئے یا وہ چند مفکرین۔ اگر ہم بھی قانون فطرت حاصل کرتے تو ہم بھی ترقی کر سکتے اس سے معلوم ہوا کہ کثرت حق کی علامت نہیں۔ خالق فطرت نے اپنے کلام پاک میں ظاہر فرمایا ہے کہ لوگوں کی کثرت حق پر نہیں ہوتی۔

ولکن اکثر للناس لا یشکرون (پ ۲ بقر ۱۹)

ترجمہ : لیکن کثرت ان لوگوں کی ہے جو شکر کرنے والے نہیں ہیں۔

وان کثیر من الناس لفاسقون (پ ٦ ع ۱۱)

ترجمہ : اور بہ تحقیق لوگوں میں اکثریت ان کی ہے جو فاسق ہیں۔

ولکن اکثر ھم یجھلون (پ ۷)

ترجمہ : اور لیکن ان میں اکثر لوگ نادان ہیں۔

ولکن اکثر الناس لا یعلمون (پ ۹ ع ۱۳)

ترجمہ : اور لیکن لوگوں میں اکثر (وہ ہیں جو) نہیں جانتے۔

ولکن اکثر الناس لا یومنون (پ ۳ ع ۱۳ ع ۷)

ترجمہ : مگر بہت سے لوگ ایمان نہیں لاتے۔

قرآن پاک صاف صاف بتا رہا ہے کہ کثرت نادانوں، جاہلوں اور کم عقلوں اور غیرمومنوں کی ہوتی ہے اور اہل فہم اور ذکا صاحبان عقل و تدبیر اور حاملان ایمان کم ہوتے ہیں۔

اکثر ناواقف لوگوں کا خیال ہے کہ اسلام کا تعلق سلطنت سے وابستہ ہے بلکہ عیسائی اور یہودی تو یہی کہتے رہتے ہیں کہ اسلام تو تنظیم عسکری کے سوا کچھ نہیں۔ وہ تو مذہب ہی نہیں پس جو لوگ اسلام کو سلطنت اور حکومت سے وابستہ جانتے ہیں ان کی نظر میں اسلام کی عمر چودہ سو سال ہے حالانکہ قرآن اس کو ازلی دین بتاتا ہے کہ آدمؑ سے خاتمؐ تک ہر نبی اور رسول اسلام ہی لے کر آیا۔ جو شخص یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ اگر اسلام سلطنت سے وابستہ نہیں تو وہ کونسا دین ہے۔ اس کو چاہئے کہ اس پر غور کرے کہ جب قرآن بتا رہا ہے کہ یہی وہ دین ہے جس کا حکم ہر نبی کو دیا گیا تو کیا ہر نبی اور رسول نے کوئی سلطنت قائم کی، نہیں۔ بلکہ سوائے معدودے چند اور کسی نبی کے ساتھ مادی اور سلطنت دنیاوی وابستہ نظر نہیں آتی۔ قرآن میں ہر جگہ یہی ظاہر کیا گیا

ہے کہ رسول کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ مخلوق کے نفسوں کا تزکیہ کرے اور یہ کہ دین کیا ہے اور اس کا مقصد کیا ہے سورہ والشمس میں واضح کر دیا گیا ہے :

ونفس وما سوھا فالھمھا فجورھا وتقوھا قد افلح من زکھا○

ترجمہ : قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی پس الہام کر دیں اس پر اس کی ساری برائیاں اور بھلائیاں فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیا۔

معلوم ہوا کہ ذہن حقیقی تزکیہ نفس مخلوق ہے اور جب تزکیہ نفس ہو جاتا ہے تو انسان مومن کے درجہ پر فائز ہوتا ہے اگر تمام مسلمان تزکیہ نفس کرنے پر عامل ہو جائیں اور درجہ ایمان پر پہنچ جائیں تو پھر ایسا معاشرہ تشکیل پا جائے گا جس میں کوئی برائی نہ ہو گی اور اللہ کی حاکمیت' اس کے قانون کی پیروی ہو گی۔ ایک صحیح اسلامی حکومت کے قیام کے لیے یہ لازم ہے کہ مملکت اسلامیہ کا ہر فرد باایمان ہو صرف نام کا مسلمان نہ ہو اس کا ہر فعل اور ہر عمل اسلام کے اصولوں پر مبنی ہو۔

جب ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا جس میں ہر شخص ایماندار نظر آنے لگے گا تو ذرا غور کیجئے کہ گناہ کتنے کم ہو جائیں گے جرائم کس قدر کم ہوں گے حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال ہر لحظہ پیش نظر رہے گا اور ہر فرد جانے گا کہ احکم الحاکمین کی عملداری ہے اور اس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں اگر ہمیں امیر بنانا مقصود ہو جس کی طرف ہم اپنی تکلیفات رجوع کریں اور معاملات دنیاوی میں اس امیر کا فیصلہ قرآن و سنت کے مطابق چاہیں تو ظاہر ہے کہ اس کا علم بالا ہونا چاہیے۔ آیئے ہم اس حاکم مطلق کی کتاب قانون سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ ہمیں کیسے شخص کو اپنا امیر بنانا چاہیے :

یا ایھا الذین امنو لا تتخذوا الیھود والنصریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم ط ان اللہ لا یھدی القوم الظالمین○ (پ ۶ المائدہ ۵۰)

ترجمہ : اے ایمان والو یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ (کیونکہ) یہ لوگ تمہارے مخالف ہیں مگر باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں اور (یاد رہے کہ) تم میں سے جس نے ان کو اپنا سرپرست بنایا پس پھر وہ بھی

انھیں لوگوں میں ہو گیا بے شک خدا ظالم لوگوں کو راہ راست پر نہیں لاتا۔

یا ایہا الذین امنو الا تتخذو الکفرین اولیاء من دون المومنین ط تریدون ان تجعلو اللہ علیکم سلطنا" مبینا" ○ (پ ۵ النساء ۱۴۳)

ترجمہ : اے ایمان والو مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو (اپنا) سرپرست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خدا کا صریحی الزام اپنے اوپر قائم کر لو۔

لا یتخذو المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقوا منھم تقتہ" یحذرکم اللہ نفسہ ط والی اللہ المصیر ○ (پ ۳ آل عمران ۲۷)

ترجمہ : مومنین مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا تو اس سے خدا سے کچھ سروکار نہیں مگر (اس قسم کی تدبیروں سے) کسی طرح ان کے (شر) سے بچنا چاہو تو (خیر) اور خدا تم کو اپنے ہی سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ان آیات میں پروردگار عالم نے مومنین سے خطاب فرمایا ہے کلام پاک میں کوئی آیت ایسی نہیں ملتی جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہو اگر خطاب ہے تو مومنین سے' ایہاالناس سے' کافروں سے اور منافقوں سے۔ ان آیات سے واضح ہے کہ مومنین اپنا سرپرست یہودیوں' نصرانیوں اور کافروں کو نہ بنائیں۔ یہود و نصاریٰ کے لیے تو صاف صاف فرمایا ہے کہ یہ لوگ تمہارے مخالف ہیں اور باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں کیا اس زمانہ میں بھی یہ بات درست ثابت نہیں ہو رہی؟ کیا باوجود اس کے کہ ہم ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں تو یہ بھی ہماری طرف خلوص سے آگے بڑھتے ہیں یا نہیں مشاہدہ تو یہ ہے کہ ان کی زبان کچھ اور عمل کچھ اور جب مسلمانوں کے ان میں سے کوئی فریق مقابل ہوتا ہے تو کیا یہ درست نہیں کہ یہ دونوں آپس میں دوست ہو جاتے ہیں۔ پروردگار عالم کا فیصلہ ہے کہ اگر مومنین یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست بنائیں گے تو ان کا شمار بھی ان ہی میں ہو گا۔ دوسری آیتیں واشگاف الفاظ

میں بتا رہی ہیں کہ مومنین مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا سرپرست نہ بنائیں اگر ایسا کیا جائے گا تو خدا کا اس سے کوئی سروکار نہ ہو گا۔ اب تو یہ بات واضح ہو گئی کہ مومنین مومنین ہی کو اپنا سرپرست بنائیں۔ اب ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ صرف کلمہ پڑھ لینے سے مسلمان مومن کی تعریف میں آ جاتا ہے یا نہیں۔ اگر انسان کے دل میں ایمان صحیح معنوں میں آ گیا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے تو پھر وہ مسلمان جن کی زبان پر کلمہ اور دل میں ایمان نہ ہو تو کیا وہ مسلمان باایمان رہا ہرگز نہیں ایسے ہی مسلمان کو منافق کہا گیا ہے تو معلوم ہوا کہ مسلمان مومن بھی ہوتا ہے اور منافق بھی لیکن احکام پروردگار عالم مومنوں کے لیے ہیں۔ ان آیتوں میں اگر ایمان والوں سے مراد مسلمان لئے جاتے ہیں تو قابل قیاس اس لیے نہیں کہ مسلمانوں میں منافق بھی شامل ہیں لہٰذا مومنین سے خطاب صاف صاف بتا رہا ہے کہ مومن ہونے کی شرط لازم ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سرپرست بنانے والے بھی مومن ہوں اور جس کو سرپرست بنایا جائے وہ بھی مومن غیرمومن لائق سرپرستی نہیں۔

اب سوال یہ درپیش ہے کہ آخر سرپرست کس طرح بنایا جائے گا تو اس کے لیے کلام پاک میں ارشاد رب العزت ہے۔

والذین استجابو الربهم اقاموا الصلٰوة وامرهم شورٰی بینهم ومما رزقنهم ینفقونO (پ۲۵ شوری ۳۷)

ترجمہ : اور وہ لوگ جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں ان کے کل کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔

اس آیت میں مومنین سے خطاب نہیں بلکہ لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے اور ان لوگوں کی صفت بیان کی گئی ہیں کہ وہ اللہ کے احکام کی پابندی کرتے ہیں۔ نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ انہیں عطا کیا ہے اس میں سے راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں۔ صرف نماز کو قائم کرنے اور مال کو راہ خدا میں خرچ کرنا ہی مومن کی صفت نہیں بلکہ سب سے اہم اور جامع شرط احکام کی پابندی ہے اور جب ان صفات کے حامل لوگ ہوں گے تو پروردگار عالم فرماتا ہے کہ ان کے کل کام آپس کے مشورہ سے ہوتے ہیں۔ مشورہ سے مراد کثرت رائے نہیں بلکہ اجتماع ذہن اور توحید فکری کے ساتھ سب کے

سوچنے کا ڈھنگ ایک ہو جانا مراد ہے۔ جب ایسا ہو جائے گا تو پھر کوئی مخالف نہ ہو گا مشورہ بھی ایک ہو گا اور فیصلہ بھی ایک ہی ہو گا تو اب بات قطعی طور پر صاف ہو گئی کہ مومنین مومنین ہی میں سے ہم مشورہ ہو کر اپنا سرپرست بنائیں کثرت رائے یا جمہوری طریق پر جس میں اختلا بھی ہوتا ہے امیر منتخب کرنے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں کیونکہ ہم نے دیکھا کہ کثرت ناوانوں' جاہلوں' کم عقلوں' منافقوں پر مشتمل ہوتی ہے مومن کے درجہ پر پہنچنا تو بہت بڑی بات ہے یہ تو بغیر تائیدی ایزدی کے ممکن ہی نہیں۔ لیکن یہ آیت کچھ شرطیں مشورہ کرنے والوں کے لیے جائز کرتی ہے کہ وہی لوگ جو کم از کم اللہ کا حکم مانتے ہوں۔ نماز پڑھتے ہوں اور راہ خدا میں خرچ کرتے ہوں مشورہ کریں اور مومنین میں سے اپنا سرپرست بنائیں۔ سرپرست بننے کے لیے شرط مومن کی لازم ہے ظاہر ہے کہ مومنین میں سے قانون الہی کے علم میں جو اعلی مرتبہ رکھتا ہو گا مشورہ بھی اسی کے حق میں ہو گا اور وہ ذات احکام الہی کی پابند' اوامر نواہی سے واقف' اس کا کردار و عمل مومن کا کردار و عمل' عدل و انصاف کرنے میں بے لاگ' کسی کا خوف ماسوائے پروردگار عالم دل میں جاگزیں نہ ہو گا۔ حق کی بات کہنے والا ہو گا جب ان صفات کا حامل ہو گا تو تب ہی تو وہ امیر یا سرپرست بن سکتا ہے اور اللہ کے قانون کو نافذ کرے گا اسے کوئی حق نہ ہو گا اس قانون میں کوئی ترمیم یا تنسیخ کرے بلکہ اس قانون پر خود بھی عامل ہو گا اور عوام کو عامل بنائے گا۔ پھر صحیح معنوں میں ایک مضبوط و مستحکم اسلامی مملکت معرض وجود میں آئے گی۔ جس کو ہم اللہ کی حکومت اللہ کے نمائندوں کے ذریعہ اور اللہ ہی کے لیے کہہ سکتے ہیں اور وہ امیر نائب اولی الامر کہلانے کا مستحق ہو سکتا ہے۔

مملکت اسلامی مختلف العقائد علما کی نظر میں

یہ بات دلچسپی کا باعث ہو گی کہ ہم پاکستان میں ۱۹۵۳ء کے فسادات جو قادیانیوں کے خلا رونما ہوئے ان کی عدالتی تحقیقاتی رپورٹ سے اسلامی نظریہ حکومت سے متعلق اقتباسات نقل کریں جو مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر کے علماء نے عدالت کے روبرو پیش کئے تاکہ ہمارے سامنے مملکت اسلامی کے متعلق مختلف نظریات آسکیں۔ پاکستان کے مطالبہ میں ایک اسلامی مملکت کے قیام کا مطالبہ بھی شامل تھا جس سے مراد ایک ایسے قانون نظام کا تصور ہے جو اسلامی عقائد' اسلامی قانون شخصی' اسلامی اخلاقیات اور اسلامی اوارت پر مبنی ہو لطف کی بات یہ ہے کہ علما کی جو جماعتیں اس مطالبہ کی حامی ہیں ان میں سے اکثر خود اسلامی مملکت کے تصور کی مخالف ہیں جیسا کہ اس رپورٹ کے صفحہ ۲۱۵ پر تحریر ہے:

"جب ہم ذمہ داری کے مسئلہ پر توجہ کریں گے تو ہم یہ ضرور بتائیں گے کہ جو جماعتیں آج تینوں مطالبات کو مذہبی وجوہ کی بنا پر نافذ کرانے کے لیے تقاضہ کر رہی ہیں ان میں سے اکثر خود اسلامی مملکت کے تصور کی مخالف ہیں حتیٰ کہ جماعت اسلامی کے امیر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا خیال بھی یہی ہے کہ اگر کبھی نئی "مسلم مملکت" وجود میں آ گئی تو اس میں حکومت کی ہیئت صرف سیکولر (غیرمذہبی)" ہی ہو سکتی ہے۔"

اب ہم اسی رپورٹ سے بانی پاکستان قائداعظم کی ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں ایک یادگار تقریر پیش کرتے ہیں جس میں نئی مملکت کے بنیادی اصولوں کی تصریح کی گئی ہے۔ صفحہ ۲۱۵ تا ۲۲۱

"اس کے باوجود اس تقسیم میں ان اقلیتوں کے مسئلہ سے دامن بچانا ناممکن ہے جو ایک ڈومنین یا دوسری میں رہ جائیں گی یہ بات بالکل ناگزیر تھی اس کے سوا کوئی دوسرا حل نہیں اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اگر ہم پاکستان کی اس عظیم مملکت کو خرم و خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہئے کہ ہم باشندوں کی خصوصاً" عوام اور غربا کی فلاح و بہبود پر اپنی تمام کوششیں مرتکز کر دیں اگر تم باہم تعاون سے کام کرو گے ماضی

کو بھول جاؤ گے اور مخالفتوں کو ترک کر دو گے تو لازماً کامیاب ہو جاؤ
گے اگر تم اپنے ماضی کو بدل دو گے اور اس سپرٹ میں متحد ہو کر کام
کرو گے کہ تم میں سے ہر ایک خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو خواہ
ماضی میں اس کے تعلقات تمہارے ساتھ کیسے ہی رہے ہوں خواہ اس کا
رنگ اس کی ذات اور اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو اول دوم اور آخر اس
مملکت کا شہری ہے جس کے حقوق و فرائض بالکل مساوی ہیں تو
تمہارے عروج و ترقی کی کوئی انتہا نہ ہو گی۔

میں اس معاملہ پر انتہائی زور دینا چاہتا ہوں ہمیں اس اسپرٹ میں
کام شروع کر دینا چاہئے۔

کچھ مدت میں اکثریت اور اقلیت اور ہندو قوم اور مسلم قوم کی یہ
تمام بدنمائیاں غائب ہو جائیں گی کیونکہ آخر مسلمان بندے کی حیثیت
میں بھی تمہارے ہاں پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی وغیرہ موجود ہیں اور
ہندوؤں میں بھی برہمن' وشنو' کھتری اور پھر بنگالی مدراسی وغیرہ ہیں اگر
مجھ سے پوچھو تو میں یہ کہوں گا کہ یہ چیز ہندوستان کی آزادی و
خودمختاری کے حصول میں سب سے بڑی رکاوٹ رہی ہے۔ اگر یہ بات
نہ ہوتی تو ہم مدتوں پہلے آزاد ہو چکے ہوتے دنیا کی کوئی طاقت کسی قوم
کو چالیس کروڑ نفوس کی قوم کو اپنا محکوم نہیں رکھ سکتی۔ اگر یہ بات نہ
ہوتی تو کوئی تم کو مفتوح نہ کر سکتا اور اگر کر بھی لیتا تو زیادہ مدت تک تم
پر اپنا تسلط قائم نہ رکھ سکتا لہٰذا اس سے ہمیں سبق حاصل کرنا چاہئے
کہ تم آزاد ہو اس مملکت پاکستان میں تم اپنے مندروں میں آزادانہ جا
سکتے ہو اور مساجد اور دوسری عبادت گاہوں میں بھی جانے میں آزاد ہو
تمہارا مذہب' تمہاری ذات' تمہارا عقیدہ کچھ بھی ہو کاروبار مملکت کا
اس سے کوئی تعلق نہیں تم جانتے ہو تاریخ شاہد ہے کہ کچھ مدت پیشتر
انگلستان کے حالات آجکل کے ہندوستان کے حالات سے بدتر تھے رومن
کیتھلک اور پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کو آزار پہنچانے میں مصروف
تھے آج بھی بعض مملکتیں ایسی موجود ہیں۔ جن میں ایک خاص طبقے کے

خلاف امتیازات اور قیود عائد کی جا رہی ہیں خدا کا شکر ہے کہ ہم ایسے ایام میں اپنی مملکت کا آغاز نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارا آغاز ایسے ایام میں ہو رہا ہے جب ایک قوم اور دوسری قوم ایک ذات اور دوسری ذات اور مسلک اور دوسری ذات اور مسلک کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں رہا ہم اس بنیادی اصول کی بنا پر آغاز کار کر رہے ہیں کہ ہم تمام شہری ہیں اور ایک مملکت کے مساوی شہری ہیں' انگلستان کے لوگوں کو بھی ایک زمانے میں صورت حالات کے حقائق کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ان ذمہ داریوں اور گرانباریوں سے بھگتنا پڑا تھا جو ان کی حکومت نے ان پر عائد کی تھیں اور وہ اس آگ میں سے قدم بقدم گزر چکے ہیں آج تم بجا طور سے کہہ سکتے ہو کہ رومن کیتھلک اور پروٹسٹنٹ کا کوئی وجود باقی نہیں آج صرف یہ حقیقت موجود ہے کہ ہر شخص برطانیہ عظمیٰ کا شہری ہے۔ ہر شہری کی حیثیت مساوی ہے اور تمام شہری ایک قوم کے افراد ہیں۔

میرے نزدیک اب ہمیں اس نصب العین کو پیش نظر رکھنا چاہئے پھر تم دیکھو گے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد نہ ہندو ہندو رہیں گے نہ مسلمان مسلمان رہیں گے۔ مذہبی معنوں میں نہیں کیونکہ وہ تو ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے بلکہ سیاسی معنوں میں ایک مملکت کے شہری ہوں گے۔"

ہم نے اس تقریر میں دیکھا کہ مذہب کو کاروبار مملکت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ صرف فرد کے ذاتی ایقان و ایمان کا معاملہ ہے۔

ہم نے علماء سے سوال کیا کہ آیا مملکت کا یہ تصور ان کے نزدیک قابل قبول ہے ان میں سے ہر ایک نے بلا تامل اس کا جواب نفی میں دیا ——— علما میں سے کوئی بھی ایسی مملکت کو برداشت نہیں کر سکتا جس کی بنیاد قومیت پرستی اور اس کے متعلقات پر ہو ان کے نزدیک مملکت کی فعلیت کو متعین کرنے کی اہلیت صرف ملت اور اس کے متعلقات میں ہے۔"

مملکت اسلامی کی بنیادیں

آگے چل کر عدالت نے صفحہ ۲۱۷۔ ۲۲۴ پر مملکت اسلامی کی بنیادوں پر اس طرح غور فرمایا ہے۔

"اب یہ سوال ہے کہ آخر وہ مملکت اسلامی کیا چیز ہے جس کے متعلق باتیں تو سب کرتے ہیں اور سوچتا کوئی بھی نہیں پیشتر اس کے کہ ہم اس سوال کا جواب دریافت کرنے کی کوشش کریں ہمیں خود مملکت کے دائرہ وظائف کا ایک واضح تصور قائم کرنا چاہیے۔

جب علما سے یہ کہا گیا کہ تاریخ اسلام میں سے کسی اسلامی مملکت کی نظیر پیش کریں تو ان کے خیالات و آرا میں باہم اختلاف تھا مثلاً" اگرچہ حافظ کفایت حسین (شیعہ عالم) نے صرف اس نظام حکومت کو اپنا نصب العین قرار دیا جو رسول پاک ﷺ کے زمانہ میں قائم تھا۔ لیکن مولانا داؤد غزنوی نے اپنے پیش کردہ نظائر میں جمہوریہ اسلامی کا زمانہ عمر بن عبدالعزیز کا عہد خلافت اور صلاح الدین ایوبی و دمشقی، سلطان محمود غزنوی، محمد تغلق، اورنگ زیب اور موجودہ حکومت عربیہ سعودیہ کی مثالیں بھی شامل کر دیں تاہم اکثر علما نے جمہوریہ اسلامی کے نظام حکومت کو پیش کیا جس کی مدت ۶۳۲ء سے ۶۶۱ء تک یعنی تیس سال سے بھی کم تھی اور بعض نے عمر بن عبدالعزیز کے نہایت مختصر عہد کو بھی اس میں شامل کر دیا۔ مولانا عبدالحامد بدایونی نے کہا کہ ایک مثالی مملکت کی تفصیلات علماء خود تجویز کر دیں گے۔ ماسٹر تاج الدین انصاری کے دماغ میں مملکت اسلامی کے متعلق جو ژولیدہ تصور تھا وہ ان کی شہادت کے مندرجہ ذیل حصہ سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔

سوال : کیا خلافت آپ کے نزدیک دینی عقیدہ پر مبنی تھی یا محض ایک سیاسی تحریک تھی؟

جواب : یہ ایک خالص دینی تحریک تھی۔

سوال : کیا اس تحریک کا مدعا یہ نہ تھا کہ مسلمانوں میں خلافت کا احیاء کیا جائے؟

جواب : جی نہیں۔

سوال : کیا خلافت آپ کے نزدیک مسلم نظام حکومت کا ضروری جزو ہے؟
جواب : جی ہاں
سوال : لہٰذا کیا آپ پاکستان میں خلافت کے قیام کے حامی ہیں؟
جواب : جی ہاں
سوال : کیا مسلمانوں کے ایک سے زیادہ خلیفے بھی ہو سکتے ہیں؟
جواب : جی نہیں۔
سوال : کیا پاکستان کا خلیفہ تمام مسلمانان عالم کا خلیفہ ہو گا؟
جواب : ہونا تو چاہیے مگر ہو نہیں سکتا۔

سیاسی فکر کا ارتقا گزشتہ تین ہزار سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے اور اس فکر کو اس کے ابتدائی مرحلوں میں مذہب سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس دوران میں دو سوال ہمیشہ غور و فکر کا موضوع رہے ہیں۔

(ا) مملکت کے معینہ وظائف کیا ہیں؟

(۲) مملکت کا حاکم کون ہو گا؟

اگر مملکت کی سرگرمیوں کا دائرہ فرد کی مادی یا روحانی دونوں قسم کے بہبود پر حاوی ہے تو پہلے سوال سے دوسرا بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ حیات انسانی کا مقصد اور انسان کی تقدیر کیا ہے۔ اس مسئلے پر مختلف اوقات میں نہیں بلکہ ایک ہی زمانہ میں مختلف اور متضاد خیالات مروج رہے ہیں۔

استوائی جنوبی افریقہ کے بالشتیوں کا اب تک یہ عقیدہ ہے کہ ان کے دیوتا کو منانے ان کو جنگل میں شکار کھیلنے اور ناچنے گانے کے لیے بھیجا ہے۔ اپیکورس کے پیروؤں کا یہ قول بھی زیادہ تر یہی مفہوم رکھتا ہے کہ حیات انسانی کا مقصد کھانا پینا اور خوش رہنا ہے کیونکہ موت ان تمام خوشیوں سے محروم کر دیتی ہے۔ افادیت پرستوں نے اپنے ادارت کو اس مفروضے پر مبنی قرار دیا ہے کہ اس زندگی کے بعد جو کچھ بھی ہو اس کا خیال نہ کرو اور انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ ذہنی اور جسمانی لذتیں حاصل کی جائیں۔ رواقیین کا ایمان ہے کہ تمام جسمانی خواہشات کو روکنا اور کم کرنا چاہیے اور دیو جانس کلبی نے زندگی بسر کرنے کے لیے ایک ٹب ہی کو کافی قرار دیا تھا۔ جرمن فلسفیوں کا خیال ہے کہ فرد محض مملکت کے لیے زندہ رہتا ہے۔ لہٰذا مقصد حیات یہ

ہے کہ مملکت جن مقاصد کے حصول کا فیصلہ کرے ان میں اس کی خدمت کی جائے۔ قدیم ہندو فلسفی گھونسلے کی منطق اور اس کی طبعی نتائج یعنی قانون انتخاب طبعی اور تنازع البقاپر ایمان رکھتے تھے۔ مملکت کا سامی نظریہ خواہ وہ یہودی ہو عیسائی ہو یا اسلامی ہمیشہ اس امر کا مدعی رہا ہے کہ حیات انسانی کا مقصد آئندہ زندگی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہے لہذا عبادت الہی اور اعمال حسنہ ہی زندگی کے تنہا مقصد نہیں۔ فلاسفہ یونان جن کی ابتدا سقراط سے ہوتی ہے مقصد زندگی اس امر کو سمجھتے تھے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں مصروف رہیں تاکہ ان عظیم صداقتوں کا انکشاف کر سکیں جو فطرت میں پوشیدہ ہیں اور دوسرے لوگوں کا کام یہ ہے کہ ان فلسفیوں کے خورد ونوش کا انتظام کریں جو اس کام میں مصروف ہیں۔ اسلام اس عقیدہ پر زور دیتا ہے کہ انسان کو جو زندگی بخشی گئی ہے وہ صرف اس دنیا کی نہیں بلکہ ابدی زندگی اس وقت شروع ہوتی ہے جب موجودہ زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگلے جہان میں انسان کا درجہ اور مرتبہ اس کے ان عقائد و اعمال پر منحصر ہے جن پر وہ اس دنیا میں عامل رہا ہے چونکہ موجودہ زندگی بجائے خود مقصود نہیں بلکہ حصول مقصد کا محض ایک ذریعہ ہے اس لیے نہ صرف فرد بلکہ مملکت کو بھی اس سیکولر نظریہ کے خلاف رہنا چاہئے۔ جس سے آدمی کو آئندہ زندگی میں بہتر مقام حاصل ہو سکے اس نظریہ کے مطابق اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے لہذا یہ سوال فوراً پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کیا ہے اور مومن یا مسلم کس کو کہتے ہیں۔ ہم نے علما سے یہ سوال کیا اور انہوں نے اس کے جو جوابات دیئے ان کا ہم عنقریب تذکرہ کریں گے لیکن ہم یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے کہ ہمیں یہ دیکھ کر بے انتہا افسوس ہوا کہ علما جن کا پہلا فرض اس موضوع پر پختہ آراء کو قائم کرنا تھا مایوس کن حد تک باہم غیر متفق تھے۔ ان فاضل علماء نے اپنے خیالات کس انداز سے ظاہر کیے اس کو چھوڑ دیجئے اور ہماری بات سنئے۔ ہمارے نزدیک اسلام ایک ایسا نظام ہے جو (ہر منظم مذہب کی مانند) مندرجہ ذیل پانچ موضوعات پر حاوی ہے :

(۱) مسلمات یعنی بنیادی عقائد

(۲) عبادات یعنی وہ مذہبی رسوم و عوائد جو انسان کو بجالانے چاہئیں۔

(۳) اخلاقیات یعنی کردار اخلاقی کے ضوابط

(۴) ادارت، معاشرتی، اقتصادی اور سیاسی

(۵) خالص قانون یعنی شریعت

ان تمام موضوعات کے متعلق قواعد و ضوابط کی لازمی بنیاد الہام پر ہے نہ کہ عقل پر گو یہ دونوں باہم مطابق بھی ہو سکتے ہیں لیکن یہ مطابقت اتفاقی ہو گی۔

کیونکہ عقل انسانی ناقص ہو سکتی ہے اور عقل کا حقیقی و قطعی تقاضہ صرف اللہ کے علم میں ہے جو انسانوں کو رشد و ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ پیغمبروں کی وساطت سے عالم انسانی کو اپنا پیغام بھیجتا ہے۔ اس لئے انسانوں کو چاہئے کہ عقائد کو تسلیم کریں عبادات کی پابندی اختیار کریں۔ تعلیمات اخلاق پر عمل کریں۔ قانون کی اطاعت کریں اور ان اوارت کو قائم کریں جو اللہ نے الہام فرمائے ہیں خواہ ان کی عقلی مصلحت ظاہر نہ ہو بلکہ خواہ وہ عقل انسانی کے خلاف ہی ہوں کیونکہ ذات باری تعالیٰ منزہ عن الخطا ہے اس لیے الہام الٰہی کے ذریعہ سے جو کچھ بھی معلوم ہو اس کو ایک قطعی صداقت کی حیثیت سے قبول کرنا ہو گا خواہ اس کا موضوع روحانی اور ماورائے طبعی ہو یا تاریخ' قانون اور عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا کسی ایسے موضوع سے متعلق ہو جس کو فکر انسانی تحقیق علم سے وابستہ سمجھتا ہو مثلاً انسان کی پیدائش' ارتقاء' علم کائنات' یا علم ہیئت عقل کا معیار قطعی معیار نہیں ہے اور اس حقیقت سے انکار گویا اللہ تعالیٰ کی عقل کل اور اس کے عزائم کا انکار ہے اور یہ کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً اپنے برگزیدہ بندوں کی معرفت جن میں ہمارے رسول پاک ﷺ آخری تھے اپنا الہام بھیجا ہے یہ الہام قرآن مجید میں موجود ہے اور مندرجہ بالا پانچ موضوعات پر حاوی ہے لہٰذا اسلام کو ماننے والے شخص کا صحیح کام یہ ہے کہ وہ اس الہام الٰہی کو سمجھے اس پر ایمان لائے اور اس پر عمل کرے۔

ہم اب تک اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کسی موضوع پر کوئی حکم بھی ہو اگر اس کا استخراج قرآن مجید اور سنت رسولؐ پاک سے کیا گیا ہے تو وہ ہر مسلمان کے لیے واجب التعمیل ہے لیکن چونکہ سنت کی شہادت صرف حدیث ہے اس لیے سنت اور حدیث کے الفاظ ایک دوسرے سے اس قدر مخلوط ہو گئے ہیں کہ دونوں میں تمیز دشوار ہو گئی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں قرآن اور سنت ہو وہاں بھی عام طور پر قرآن و حدیث کا ہی جملہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس مرحلہ پر ایک اور اصول سامنے آ جاتا ہے جو مساوی طور پر بنیادی ہے وہ

اصول یہ ہے کہ اسلام آخری الہامی مذہب ہے جو ہر اعتبار سے مکمل اور جامع ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دین کے کسی حصے کی تنسیخ یا تخفیف یا اضافہ کا امکان اتنا ہی بعید ہے جتنا کسی نئے رسول کا مبعوث ہو جانا غیر ممکن ہے۔ دین مکمل کر دیا گیا۔ (اکملت لکم دینکم سورہ ۵ آیت ۳) اس لیے اب کسی ایسے نئے ضابطہ کی ضرورت نہیں رہی جو اصلی ضابطہ کی تنسیخ ترمیم یا تردید کرے اور نہ کسی نئے پیغمبر یا پیغام کی حاجت باقی ہے لہٰذا ان معنوں میں نبوت رسول پاک ﷺ پر ختم ہو گئی اور الہام کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا یہ ختم وحی نبوت کا عقیدہ ہے۔ اگر اس نظریہ کو پوری طرح سمجھ لیا جائے کہ اسلام کے عقائد اخلاق اور ادارات خطا سے پاک ہونے کے عقیدہ پر مبنی ہیں خواہ وہ بے خطائی قرآن میں۔ سنت میں اجماع میں یا اجتہاد مطلق میں مضمر ہو تو اس سے جو نتائج بھی مستنبط ہوں گے وہ آسانی سے سمجھ میں آ جائیں گے۔ چونکہ ہر معاملہ میں خواہ وہ عبادات سے متعلق ہو یا اس کی نوعیت سیاسی یا اجتماعی یا اقتصادی ہو آخری معیار صداقت الہام الٰہی ہے اور الہام قرآن مجید ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور سنت بھی الہام ہی کی مانند بے خطا ہے اور سنت کی صحت کی تنہا شہادت حدیث ہے لہٰذا اسلامی مملکت قائم کرنے کے خواہشمندوں کا پہلا فرض یہ معلوم کرنا ہے کہ جس حکم کا حالات حاضرہ پر اطلاق ہوتا ہے وہ آیا قرآن یا حدیث میں موجود ہے ظاہر ہے کہ اس مقصد کے لیے موزوں ترین اشخاص وہی ہیں جنہوں نے زندگی بھر قرآن و حدیث کا مطالعہ کیا ہے یعنی سنیوں کے علماء اور شیعوں کے مجتہد جو امام غائبؑ (جو امر الٰہی کے ماتحت حاکم ہیں) کے نائب ہیں۔ ان علمائے دین کا وظیفہ یہ ہو گا کہ ایسے احکام کا سراغ لگانے میں مصروف رہیں جن کا اطلاق مخصوص صورتوں پر ہو سکے ان کی یہ مصروفیت اس قسم کی ہو گی جس میں فلاسفہ یونان مشغول رہا کرتے تھے اور دونوں میں فرق صرف یہ ہو گا کہ فلاسفہ یونان کے نزدیک تو تمام صداقتیں فطرت میں مضمر تھیں جو انفرادی کوشش سے بے نقاب کی جا سکتی تھیں لیکن علماء مجتہدین اس حق کا سراغ لگائیں گے کہ جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ میں موجود ہے مجلس اصول اساسی میں علماء کے بورڈ کی جو سفارش کی گئی تھی وہ گویا اس اصول کا منطقی اعتراف تھا اور اس بورڈ کے خلاف صحیح اعتراض حقیقت میں یہی ہونا چاہیئے تھا کہ جس اصول نے اس بورڈ کو جنم دیا تھا اس کے عمل درآمد کے لیے وہ بورڈ نہایت ناکافی اور کمزور آلہ

تھا۔

اجماع کے معنی ہیں مجتہدین ملت کا اتفاق رائے مجتہدین وہ لوگ ہیں جو رسول پاکؐ کے وصال کے بعد اپنے علم کی بنا پر خود حکم لگانے اور فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اجماع کے اختیار کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ اللہ تعالیٰ امکان خطا سے حفاظت کرے گا۔ کیونکہ ابن ماجہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث درج ہے کہ "میری امت گمراہی پر کبھی متفق نہ ہو گی۔"

اجماع سے متنازعہ فیہ مسائل کے متعلق احکام معین کر دیئے جاتے تھے اور جب وہ ایک دفعہ معین ہو جاتے تھے تو دین کا جزو لاینفک بن جاتے تھے اور اس سے انکار کرنا کفر قرار دیا جاتا تھا۔ اجماع کے متعلق یہ نکتہ یاد رکھنا لازمی ہے کہ اس سے مجتہدین کے اتفاق رائے کا اظہار ہوتا ہے عوام کے اتفاق کا معاملہ بالکل خارج از بحث ہے۔ اس طریق سے اجماع نے نہ صرف غیر منفصل معاملات کے متعلق احکام معین کر دیئے ہیں۔ بلکہ بعض اہم ترین عقائد تک کو تبدیل کر دیا ہے۔

اجماع اور اجتہاد میں یہ فرق ہے کہ اجماع اجتماعی اور اجتہاد انفرادی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ شیعوں کے اسلام میں آج بھی مجتہدین مطلق موجود ہیں جو امام غائب کے نائب سمجھے جاتے ہیں۔

اس رپورٹ میں مملکت اسلامی کے لوازم صفحہ ۲۲۵ پر حسب ذیل ہیں :

مملکت اسلامی کے لوازم

"چونکہ اسلامی شریعت کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ الہام الٰہی اور رسول پاک کے اقوال و افعال خطا سے پاک ہیں۔ لہٰذا قرآن و سنت کے احکام و قوانین انسان کے وضع کردہ قوانین سے بالا تر ہیں اور ان دونوں کے تصادم کی صورت میں آخرالذکر کو (بلا لحاظ اپنی نوعیت کے) اول الذکر کے آگے سر جھکانا چاہئے۔ اس طرح اگر کسی مسئلہ کے متعلق قرآن و سنت میں کوئی ایسا حکم موجود ہو جو ہمارے تصور کے مطابق قانون دستوری یا قانون بین الاقوامی کے دائرے میں آتا ہو تو اس صورت میں اس حکم کو نافذ کرنا چاہئے یعنی شریعت اسلامی میں قانون دستوری اور دوسرے قانون کے درمیان کوئی

فرق و امتیاز نہیں بلکہ جتنے قوانین قرآن و سنت میں پائے جاتے ہیں وہ مملکت کی مسلمان رعایا کے لیے قانون ملکی ہی کا ایک حصہ ہیں اسی طرح اگر قرآن یا سنت میں کوئی ایسا حکم ہو جو دوسری مملکتوں کے ساتھ مملکت کے تعلقات یا مملکت کی مسلمان رعایا اور دوسری مملکتوں یا ان مملکتوں کی رعایا کے درمیان روابط سے تعلق رکھتا ہو تو اس حکم کا نفاذ بھی اتنا ہی لازمی ہو گا جتنا قرآن یا سنت کے دوسرے احکام کا نفاذ ضروری ہے لہذا اگر پاکستان' اسلامی مملکت ہے یا اس کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنانے کا ارادہ ہے تو اس کے دستور میں ذیل کی پانچ دفعات ضرور ہونی چاہئیں۔

(۱) تمام قوانین جو قرآن و سنت میں موجود ہیں مسلمانوں کے لیے قانون ملکی کا ایک حصہ متصور ہوں گے اور اسی حیثیت سے نافذ کئے جائیں گے۔

(۲) دستور کی کوئی دفعہ جو قرآن و سنت کے منافی ہو گی وہ اپنے منافی ہونے کی حد تک کالعدم سمجھی جائے گی سوائے اس حالت کے کہ دستور خود اجماع امت کے تحت وضع کیا گیا ہو۔ یعنی مسلمہ مرتبے کے علما اور مجتہدین کے اتفاق رائے سے تیار ہوا ہو۔

(۳) سوائے اس حالت کے کہ پاکستان کے موجودہ قوانین کو مذکور بالا قسم کے اجماع امت کی منظوری حاصل ہو جائے موجودہ قوانین یا قانون کی کوئی دفعہ جو قرآن و سنت کے منافی ہو گی وہ اپنے منافی ہونے کی حد تک کالعدم سمجھی جائے گی۔

(۴) کسی آئندہ قانون کی کوئی دفعہ جو قرآن و سنت کے منافی ہوگی کالعدم سمجھی جائے گی۔

(۵) بین الاقوامی قانون کا کوئی قاعدہ اور کسی ایسے میثاق یا معاہدہ کی کوئی دفعہ (جس کے فریقوں میں پاکستان بھی شامل ہو گا) اگر قرآن و سنت کے خلاف ہو گی تو پاکستان کے کسی مسلمان پر اس کی پابندگی واجب نہ ہو گی۔

مملکت اسلامی میں حاکمیت اور جمہوریت

آگے چل کر اس رپورٹ میں مملکت اسلامی میں حاکمیت اور جمہوریت پر صفحہ ۲۲۶ پر اس طرح روشنی ڈالی ہے۔

"علما نے اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ اگر پاکستان میں اصول اسلامی کے مطابق حکومت قائم کی گئی تو اس کی شکل جمہوری نہیں ہو گی۔ ہم ابھی قرآن اور سنت کی حاکیت کے عقیدے کی وضاحت کر چکے ہیں۔ قرارداد مقاصد میں جب یہ اظہار کر دیا گیا کہ تمام حاکیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے تو گویا اس موقف کو صحیح طور پر تسلیم کر لیا گیا لیکن جب اس قرارداد کے واضعین نے یہ بیان کیا کہ ایک آزاد خودمختار مملکت کے لیے دستور تیار کیا جائے گا جس میں اسلام کے سکھائے ہوئے اصول جمہوریت پوری طرح مدنظر رکھے جائیں گے تو انہوں نے خودمختار اور جمہوریت دونوں لفظوں کا غلط استعمال کیا۔ ہو سکتا ہے کہ جس سیاق و سباق میں انہوں نے یہ لفظ استعمال کئے اس میں ان لوگوں نے اس کا مطلب غلط نہ سمجھا ہو جو اسلامی اصولوں کے ماہر ہیں لیکن یہ دونوں لفظ مغربی فلسفہ سیاست سے مستعار لئے گئے تھے۔ اور ان معنوں میں دونوں کا استعمال اس قرارداد میں غلط طور سے کیا گیا تھا۔

جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں ملک آزاد اور خودمختار ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے باشندے یا اس کا کوئی دوسرا گروہ افراد حق رکھتا ہے کہ اپنے ملک کے نظم امور کو جس طریقہ سے چاہے چلائے اور اس میں ضرورت اور پالیسی کے سوا دوسرے مصالح بالکل حائل نہ ہوں لیکن ایک اسلامی مملکت اس مفہوم میں آزاد اور خودمختار نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کو قرآن یا سنت کے کسی قانون کو منسوخ یا ترمیم یا ترک کرنے کا اختیار نہیں ہو گا کسی مملکت کے اختیار قانون سازی کو قطعاً محدود کر دینا اس مملکت کے لوگوں کی آزادی و خودمختاری کو محدود کرنا ہے اور اگر اس تحدید کا ماخذ ارادۂ عوام کے سوا کوئی اور ہو تو جس حد تک یہ تحدید عائد کی جائے گی اس حد تک اس مملکت اور اس کے باشندوں کی حاکیت لازماً کم ہو جائے گی۔ اسلامی مملکت میں حاکیت اپنے قانونی مفہوم کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کی ذات کو حاصل ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جمہوریت کا مطلب "جمہور کی حکومت" ہے خواہ یہ حکومت براہ راست ان

کے ہاتھ میں ہو جیسے یونان و روما میں تھی یا وہ اپنے منتخب نمائندوں کی وساطت سے حکومت کریں جیسے زمانہ حاضر کی جمہوریتوں میں رواج ہے اگر دستور کے وضع کرنے، قوانین کے بنانے اور انتظامی کارروائی کے دائرے میں جمہور کا اختیار بعض ناقابل تبدیل احکام و قواعد کے ماتحت ہو تو یہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ جو قانون چاہیں منظور کر سکتے ہیں یا انتظامی وظائف کی بجاآوری میں اپنے منشاء کے مطابق عمل کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی اسلامی مملکت میں مقننہ ایک قسم کا اجماع بھی ہو تو عوام اس میں حصہ لینے سے قطعی طور پر محروم ہوں گے کیونکہ فقہ اسلامی میں اجماع امت صرف مسلمہ حیثیت کے علما و مجتہدین تک محدود ہے اور جمہوریت کی طرح یہ حق عوام تک ہرگز نہیں پہنچتا۔"

سابقہ صفحات میں ان اصولوں کی تصریح کی کوشش کی گئی ہے جن پر ایک مذہبی مملکت تعمیر کی جا سکتی ہے اور اس کو اسلامی مملکت کہا جا سکتا ہے اب ایسی مملکت کے بعض خصائص کا تذکرہ صفحہ ۲۲۷ تا ۲۲۹ پر اس طرح درج ہے۔

مجلس قانون ساز اور قانون سازی

"نظام اسلامی میں قانون سازی کا موجودہ مفہوم بالکل ناپید ہے دین و سیاست کا وہ مجموعی نظام جو "دین اسلام" کہلاتا ہے۔ ایک مکمل نظام ہے اور اس میں ایسا انتظام موجود ہے کہ جو صورت حالات بھی پیدا ہو اس کے متعلق قانون کا انکشاف و اطلاق کر دیا جائے۔ جمہوریہ اسلام کے دوران میں زمانہ حاضر کے انداز کی کوئی مقننہ موجود نہ تھی اور جو صورت حالات یا فوری ضرورت پیش آ جاتی تھی۔ اس کے مطابق علما قانون کا انکشاف اور اطلاق کر سکتے تھے۔ قانون بن چکا تھا اور اس کے بنانے کی حاجت نہ تھی اور قانون کا نفاذ جن لوگوں کے سپرد تھا ان کا کام صرف یہ تھا کہ کسی خاص مقدمہ کی اغراض کے لیے قانون کا انکشا کریں۔ البتہ جب ایک دفعہ قانون کا آغاز اور اطلاق ہو جاتا تو وہ دوسروں کے لیے پیروی کی ایک نظیر بن جاتا ہے۔ بعض حلقوں کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں جو مختلف قوموں پر مشتمل ہے جس میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی اور جس میں غیر مسلموں کو نمائندگی بھی دی گئی ہے اور یہ حق بھی عطا

کر دیا گیا ہے کہ جو مسئلہ پیش ہو اس پر ووٹ دے سکیں مقننہ ہی اجماع یا اجتہاد کی ایک شکل ہے حالانکہ اجتہاد اجتماعی نہیں بلکہ صرف انفرادی ہوتا ہے اور گو اجماع اجتماعی ہوتا ہے لیکن اس میں ان لوگوں کا کوئی مقام نہیں جو علم قانون کے ماہر نہیں ہیں اس اصول کے ماتحت کفار خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے بالکل خارج از بحث ہو جاتے ہیں۔

چونکہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے اس میں واضح قوانین بھی ہیں اور اجماع یا اجتہاد سے مستنبط بھی کیے جا سکتے ہیں اور وہ انسانی فعالیت کے پورے دائرے پر حاوی ہیں لہٰذا اس میں اس چیز کا کوئی جواز نہیں جس کو زمانہ حاضر کے مفہوم میں قانون سازی کہتے ہیں اس نکتے پر جب مولانا ابوالحسنات صدر جمعیۃ العلمائے پاکستان سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے مندرجہ ذیل جوابات دیئے :

سوال : کیا قانون کے تعبیر جن افراد یا جماعت کے سپرد کی جاتی ہے ان سے علیحدہ وضع قوانین کا ادارہ بھی اسلامی مملکت کا ایک لازمی جزو ہے؟

جواب : جی نہیں۔ ہمارا قانون مکمل ہے اور اس میں صرف ایسے اشخاص کی تعبیر اور توجیہہ کی ضرورت ہے جو اس کے ماہر ہیں میرے عقیدہ کے مطابق کوئی ایسا مسئلہ پیدا نہیں ہو سکتا جس کے متعلق قرآن یا حدیث سے قانون کا استنباط نہ ہو سکے۔

سوال : صاحب الحل والعقد کن لوگوں کو کہتے ہیں؟

جواب : وہ اپنے وقت کے ممتاز علما تھے ان لوگوں کو اپنے علم شریعت کی وجہ سے یہ رتبہ حاصل ہوا تھا یہ لوگ کسی اعتبار سے زمانہ حاضر کی جمہوریت کے مشابہ یا مترادف نہ تھے۔

یہی خیال امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری نے اپنی تقریر میں ظاہر کیا تھا جو "آزاد" مورخہ ۲۲ اپریل ۱۹۴۷ء میں درج ہوئی تھی اس تقریر کے دوران انہوں نے کہا کہ ہمارا دین کامل و مکمل ہے اور مزید قوانین وضع کرنا کفر کے برابر ہے لیکن مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی رائے یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں ان معاملات کے متعلق صحیح معنوں میں قانون سازی ممکن ہے جن کے متعلق قرآن و سنت اور سابقہ اجماع میں کوئی ہدایت نہ مل سکے۔ اور مولانا نے اپنے اس نکتہ کی وضاحت کے لیے اس مجلس افراد کا ذکر کیا ہے جس سے رسول پاکؐ اور ان کے بعد خلفا امور مملکت کے متعلق تمام

معاملات پر مشورہ کیا کرتے تھے۔ یہ مسئلہ کسی قدر مشکل ہے اور اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ قانون سازی کے ادارہ کو اس دعویٰ کے مطابق بنانا ہو گا جو مولانا ابوالحسنات اور بعض دوسرے علمائے دین نے کیا ہے کہ اسلام ایک مکمل اور جامع ضابطہ ہے اور اس قدر وسیع ہے کہ ہر قسم کی انسانی فعالیت کے متعلق پیدا ہونے والے مسائل کا حل مہیا کر سکتا ہے اور کسی ایسے خلا کا قائل نہیں جس کو تازہ قانون سازی سے پر کرنے کی ضرورت ہو اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام مشورے کا حکم دیتا ہے اور نہ صرف رسول پاکؐ بلکہ خلفائے اربعہ اور ان کے جانشین بھی اپنے وقت کے ممتاز اشخاص سے مشور کیا کرتے تھے جن پر ان کے علم شریعت اور ان کے تقویٰ کی وجہ سے پورا اعتماد کیا جا سکتا تھا اس تحقیقات کے دوران مجلس شوریٰ کے متعلق کچھ زیادہ معلوم نہیں ہو سکا سوائے اس کے جو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے اس تحریری بیان میں موجود ہے جو مولانا نے اس عدالت کی درخواست پر مہیا کیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ ایک مجلس افراد موجود تھی جس سے مشورہ کیا جاتا تھا لیکن یہ امر کسی قدر مشتبہ ہے کہ آیا وہ ایک مستقل مجلس تھی اور آیا ان لوگوں کا مشورہ کوئی قانونی حیثیت یا تنقیدی قوت رکھتا تھا اگرچہ ان اشخاص کی نمائندہ نوعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کا انتخاب یقیناً" زمانہ حاضر کے طریقوں کے مطابق نہیں ہوتا تھا ان سے عارضی طور پر مشورہ ضرور کیا جاتا تھا لیکن یہ قطعاً" صحیح نہیں کہ وہ موجودہ مجالس قانون ساز کی طرح قوانین وضع کرنے کا اختیار رکھتے تھے ان کے کئے فیصلے یقیناً" نظائر کا کام دیتے تھے اور ان کی نوعیت اجماع کی تھی جو قانون سازی نہیں بلکہ کسی خاص مقدمہ پر کسی موجودہ قانون کے اطلاق کا نام ہے جب امور مملکت میں ان سے مشورہ کیا جاتا تھا تو ان کے وظائف یقیناً" اس صلاح کی نوعیت رکھتے تھے جو زمانہ حاضر کی کابینہ دیتی ہے لیکن اس قسم کی صلاح قانون نہیں ہوتی بلکہ اس کو صرف فیصلہ کہا جا سکتا ہے۔

زمانہ حاضر کی قانون سازی کو اجماع سے مشابہ قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جیسا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مجلس قانون ساز قانون وضع کرتی ہے لیکن مجلس شوریٰ کے علما کا کام یہ تھا کہ کسی خاص نکتے پر جس کا ذکر قرآن و سنت میں نہ پایا جاتا ہو فیصلے کا تعین کریں لہٰذا وہ صرف قانون کا انکشاف و اطلاق کرتے تھے قانون کو وضع نہ کر سکتے تھے البتہ جو فیصلہ وہ کر دیتے تھے نہ صرف اس خاص مقدمہ پر بلکہ بعد کے موقعوں پر بھی

واجب العمل نظیر بن جاتا تھا اگر قانون دستور میں یہ دفعہ شامل ہو کہ اگر اس قانون کی کوئی دفعہ قرآن و سنت کے مخالف ہو گی تو کالعدم سمجھی جائے گی اور عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) میں مقننہ کے کسی بنائے ہوئے قانون کے خلاف اس بنا پر اعتراض اٹھایا جائے کہ خود مجلس قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف ہے تو تصور کیجئے کہ کس قدر عجیب اور پیچیدہ صورت حالات پیدا ہو جائے گی۔

غیر مسلموں کا موقف

اس رپورٹ کے صفحہ ۲۲۹ پر اس امر کی بابت بحث کی گئی ہے کہ اسلامی دستور کے نفاذ پر غیر مسلموں کا موقف کیا ہو گا ممتاز علما کی رائے یہ ہے کہ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت ذمیوں کی سی ہو گی اور وہ پاکستان کے پورے شہری نہ ہوں گے کیونکہ ان کو مسلمانوں کے مساوی حقوق حاصل نہیں ہوں گے وضع قوانین میں ان کی کوئی آواز نہ ہو گی قانون کے نفاذ میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا کوئی حق نہ ہو گا۔ اس موقف کا پورا اظہار مولانا ابوالحسنات' سید محمد احمد قادری' مولانا احمد علی' میاں طفیل محمد اور مولانا عبدالحامد بدایونی کی شہادتوں میں کیا گیا ہے جب اس موضوع پر مولانا ابوالحسنات سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا :

سوال : اگر ہم پاکستان میں اسلامی مملکت قائم کریں گے تو کفار (غیر مسلم) کا موقف کیا ہو گا۔ کیا انہیں وضع قانون میں کوئی آواز حاصل ہو گی؟ انہیں قانون کی تنفیذ کا موقع دیا جائے گا اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا حق ہو گا؟

جواب : ان کا موقف ذمیوں کا سا ہو گا ان کی وضع قوانین میں کوئی آواز نہ ہو گی قانون کی تنفیذ میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا اور سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا کوئی حق نہ ہو گا۔

سوال : کیا ایک اسلامی مملکت میں رئیس مملکت اپنے اختیارات کا کوئی جزو کفار کو تفویض کر سکتا ہے؟

جواب : جی نہیں۔

مولانا احمد علی نے استفسار کا یہ جواب دیا:

سوال : اگر ہم پاکستان میں اسلامی مملکت قائم کریں گے تو کفار کا موقف کیا ہو گا کیا انہیں وضع قوانین میں کوئی آواز حاصل ہو گی۔ انہیں قانون کی تنقید کا موقع دیا جائے گا اور انہیں سرکاری عہدوں پر فائز ہونے کا حق ہو گا؟

جواب : ان کا موقف ذمیوں کا سا ہو گا۔ وضع قوانین میں ان کی کوئی آواز نہ ہو گی نہ تنقید قانون کا حق ہو گا۔ البتہ حکومت ان کو کسی عہدہ پر فائز ہونے کی اجازت دے سکتی ہے۔

میاں طفیل محمد نے حسب ذیل بیان دیا :

سوال : اقلیتوں کے حقوق کے متعلق جو مضمون سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۱۳ اکتوبر ۵۳ میں شائع ہوا ہے اس کو پڑھ کر بتایئے کہ آیا اس میں اسلامی مملکت کے متعلق آپ کے خیالات کی صحیح ترجمانی کی گئی ہے۔ (اس مضمون میں بیان کیا گیا تھا کہ اقلیتوں کے حقوق مسلمانوں کے برابر ہوں گے)

جواب : میں نے یہ مضمون پڑھ لیا ہے اگر پاکستان میں جماعت کے نظریہ پر جتی مملکت قائم کی جائے گی تو میں پاکستان میں عیسائیوں یا دوسرے غیر مسلموں کے ان حقوق کو تسلیم نہ کروں گا۔

مولانا عبدالحامد بدایونی کی ذہنی ژولیدگی مندرجہ ذیل بیان سے ظاہر ہو گی :

سوال : کیا آپ نے کبھی مذکورہ بالا تقریر کو پڑھا ہے (قائداعظم کی وہ تقریر جو انہوں نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں کی تھی۔

جواب : جی ہاں میں نے وہ تقریر پڑھی ہے۔

سوال : کیا آپ اب تک پاکستان کے اس تصور سے اتفاق کرتے ہیں جو قائداعظم نے دستور ساز اسمبلی کی تقریر میں پیش کیا تھا اور جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آج کے بعد صرف ایک پاکستانی قوم ہو گی جس میں مسلم اور غیر مسلم شامل ہوں گے ان سب کو مساوی شہری حقوق حاصل ہوں گے۔ نسل، مذہب اور مسلک کا کوئی امتیاز نہ ہو گا اور مذہب محض فرد کا نجی معاملہ سمجھا جائے گا؟

جواب : میں اس اصول کو تسلیم کرتا ہوں کہ تمام قوموں کو خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم مملکت کے نظم و نسق اور قانون سازی میں ان کی آبادی کے مطابق نمائندگی

حاصل ہونی چاہئے۔ سوائے اس کے کہ غیر مسلم شعبہ فوج اور محکمہ عدالت میں نہ لئے جا سکیں گے نہ وزیر مقرر کئے جا سکیں گے اور نہ کسی اعتماد کے عہدے پر فائز ہو سکیں گے۔

سوال : کیا آپ کا مقصد اس سے یہ ہے کہ غیر مسلموں کا موقف ذمیوں کا سا ہو گا یا اس سے بہتر ہو گا؟

جواب : جی نہیں۔ ذمیوں سے مراد ان ملکوں کی غیر مسلم آبادی ہے جن کو کسی اسلامی مملکت میں پہلے سے آباد ہوں ایسی اقلیتیں معاہد کہلاتی ہیں (یعنی وہ لوگ جن سے کوئی معاہدہ کیا گیا ہو)

سوال : اگر ان سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو پھر ان کی حیثیت کیا ہو گی؟

جواب : ایسی حالت میں ان قوموں کو شہریت کے حقوق حاصل نہ ہوں گے۔

سوال : کیا پاکستان میں رہنے والی مسلم اقلیتیں آپ کے نزدیک معاہد کہلا سکتی ہیں؟

جواب : جی نہیں تاوقتیکہ ان سے کوئی معاہدہ نہ ہو میرے علم میں ایسی قوموں کے ساتھ پاکستان میں اب تک کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔

پس اس عالم دین کی شہادت کی رو سے پاکستان کے غیر مسلم نہ تو شہری ہوں گے نہ انہیں ذمیوں یا معاہدون کی حیثیت حاصل ہو گی۔" "اس رپورٹ کے صفحہ ۲۳۱ پر رئیس مملکت کے متعلق بتایا گیا ہے۔

رئیس مملکت

جمہوریہ اسلامی کے ادوار میں رئیس مملکت یعنی خلیفہ ایک ایسے نظام انتخاب کے ماتحت منتخب کیا جاتا تھا جو زمانہ حاضر کے انتخاب سے قطعاً" مختلف تھا اور اس کی بنیاد نہ بالغوں کے حق رائے دہی پر اور نہ عمومی نمائندگی کی کسی اور ہیئت پر تھی اس کی جو بیعت کی جاتی تھی جسے حلف اطاعت کہنا چاہئے اسے ایک مقدس معاہدہ کی حیثیت حاصل تھی اور جب وہ اجماع الامت یعنی لوگوں کے اتفاق رائے سے منتخب ہو جاتا تھا تو جائز حکومت کے تمام شعبوں کا سرچشمہ بن جاتا تھا۔ اس کے بعد اس کو اور صرف اس کو حکومت کرنے کا حق ہوتا تھا وہ اپنے بعض اختیارات اپنے نائبوں کو تفویض کر سکتا

تھا اور اپنے گرد ایسے اشخاص کے ایک گروہ کو جمع کر لیتا تھا جو علم و تقویٰ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اس گروہ کو مجلس شوریٰ یا اہل الحل والعقد کہتے تھے اس نظام کا نمایاں پہلو یہ تھا کہ کفار ان وجوہ کے ماتحت جو واضح تھے اور جن کے بیان کی حاجت نہیں اس مجلس میں دخل حاصل نہیں کر سکتے تھے اور خلیفہ اپنے اختیارات کفار کو بالکل تفویض نہ کر سکتا تھا خلیفہ حقیقی رئیس مملکت اور تمام اختیارات کا حامل ہوتا تھا اور زمانہ حاضر کی کسی جمہوری مملکت کے صدر کی طرح ایک بے اختیار فرد نہ تھا جس کا فرض صرف اتنا ہوتا ہے کہ اپنے وزیراعظم اور کابینہ کے فیصلوں پر دستخط کر دے وہ غیر مسلموں کو اہم عہدوں پر مقرر نہ کر سکتا تھا نہ قانون کی تعبیر یا تنقید میں ان کو کوئی جگہ دے سکتا تھا اور وضع قوانین کا کام ان کے سپرد کرنا تو قانونی اعتبار سے بالکل ہی ناممکن تھا۔

اس رپورٹ کے صفحہ ۲۳۱ تا ۲۳۵ پر لفظ مسلم کی تعریف میں علماء کی آراء بیان کی گئی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

مسلم کی تعریف

"جب صورت حال یہ ہے تو مملکت کو لازماً کوئی ایسا انتظام کرنا ہو گا کہ مسلم اور غیر مسلم کے درمیان فرق متعین ہو سکے۔ اور اس کے نتائج پر عمل درآمد کیا جا سکے لہٰذا یہ مسئلہ بنیادی طور پر اہم ہے کہ فلاں شخص مسلم ہے یا غیر مسلم اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے اکثر علماء سے یہ سوال کیا ہے کہ وہ مسلم کی تعریف کریں اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر مختلف فرقوں کے علماء احمدیوں کو کافر سمجھتے ہیں تو ان کے ذہن میں نہ صرف اس فیصلہ کی وجوہ بالکل روشن ہوں گی بلکہ وہ "مسلم" کی تعریف بھی قطعی طور پر کر سکیں گے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں شخص یا جماعت دائرہ اسلام سے خارج ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ دعویٰ کرنے والے کے ذہن میں اس امر کا واضح تصور موجود ہو کہ "مسلم" کس کو کہتے ہیں تحقیقات کے اس حصہ کا نتیجہ بالکل اطمینان بخش نہیں نکلا اور اگر ایسے سادہ معاملے تک کے متعلق بھی ہمارے علماء کے دماغوں میں اس قدر ژولیدگی موجود ہے تو آسانی سے تصور کیا جا سکتا ہے کہ زیادہ پیچیدہ معاملات کے

متعلق ان کے اختلافات کا کیا حال ہو گا۔ ذیل میں ہم "مسلم" کی تعریف ہر عالم کے اپنے الفاظ میں درج کرتے ہیں :

مولانا ابوالحسنات محمد احمد قادری صدر جمعیتہ العلماء پاکستان

سوال : مسلم کی تعریف کیا ہے؟

جواب : اول۔ وہ توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔

دوم۔ وہ پیغمبرؐ اسلام کو اور تمام انبیاء سابقین کو خدا کا سچا نبی مانتا ہو۔

سوم۔ اس کا ایمان ہو کہ پیغمبر اسلام ﷺ انبیاء میں آخری نبی ہیں۔ (خاتم النبیین)

چہارم۔ اس کا ایمان ہو کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ الہام پیغمبر السلام ﷺ پر نازل کیا۔

پنجم۔ وہ پیغمبر اسلامؐ کی ہدایات کے واجب الاطاعت ہونے پر ایمان رکھتا ہو۔

ششم۔ وہ قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال : کیا تارک صلواۃ مسلم ہوتا ہے؟

جواب : جی ہاں لیکن منکر صلوۃ مسلم نہیں ہو سکتا۔

مولانا احمد علی صدر جمعیت العلمائے اسلام مغربی پاکستان

سوال : ازراہ کرم "مسلم" کی تعریف کیجئے؟

جواب : وہ شخص مسلم ہے جو قرآن پر ایمان رکھتا ہو (۲) رسول اللہ ﷺ کی ارشادات پر ایمان رکھتا ہو۔ ہر شخص جو ان دو شرطوں کو پورا کرتا ہے مسلم کہلانے کا حقدار ہے اور اس کے لیے اس سے زیادہ عقیدے اور اس سے زیادہ عمل کی ضرورت نہیں۔"

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی امیر جماعت اسلامی۔

سوال : ازراہ کرم "مسلم" کی تعریف کیجئے؟

جواب : وہ شخص مسلم ہے جو (۱) توحید (۲) تمام انبیاء پر (۳) تمام الہامی کتابوں پر (۴) ملائکہ پر (۵) یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔

سوال : کیا ان تمام باتوں کے محض زبانی اقرار سے کسی شخص کو مسلم کہلانے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور آیا ایک مسلم مملکت میں اس سے وہ سلوک کیا جائے گا جو

مسلمانوں سے کیا جاتا ہے؟

جواب : جی ہاں۔

سوال : اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہوں تو کیا کسی شخص کو اس کے عقیدے کے وجود پر اعتراض کرنے کا حق حاصل ہے۔

جواب : جو پانچ شرائط میں نے بیان کی ہیں وہ بنیادی ہیں جو شخص ان شرائط میں سے کسی شرط میں کوئی تبدیلی کرے گا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

غازی سراج الدین منیر :

سوال : ازراہ کرم مسلم کی تعریف کیجیے؟

جواب : میں ہر اس شخص کو مسلمان سمجھتا ہوں جو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے اور رسول پاک صلعم کے نقش قدم پر چل کر زندگی بسر کرتا ہے۔ مفتی محمد ادریس جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور۔

سوال : ازراہ کرم مسلمان کی تعریف کیجیے؟

جواب : لفظ مسلمان فارسی کا لفظ ہے۔ مسلم کے لیے فارسی میں جو لفظ مسلمان بولا جاتا ہے اس میں اور لفظ مومن میں فرق ہے میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں لفظ مومن کی مکمل تعریف کروں کیونکہ اس امر کی وضاحت کے لیے بے شمار صفحات درکار ہیں۔ کہ مومن کیا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے وہ مسلم ہے اس کو توحید الٰہی رسالت انبیاء اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا چاہیے جو شخص اذان یا قربانی پر ایمان نہیں رکھتا وہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بے شمار دیگر امور بھی ہیں جو ہمارے نبی کریمؐ سے ہم کو تواتر کے ساتھ پہنچے ہیں۔ مسلم ہونے کے لیے ان سب امور پر ایمان لانا ضروری ہے میرے لیے یہ قریب قریب ناممکن ہے کہ ان تمام امور کی مکمل فہرست پیش کروں۔

حافظ کفایت حسین ادارہ تحفظ حقوق شیعہ :

سوال : مسلمان کون ہے؟

جواب : جو شخص (۱) توحید (۲) نبوت اور (۳) قیامت پر ایمان رکھتا ہو وہ مسلمان کہلانے کا حقدار ہے یہ تین بنیادی عقائد ہیں جن کا اقرار کرنے والا مسلمان کہلا سکتا ہے ان تین بنیادی عقائد کے معاملہ میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان کوئی اختلاف

نہیں ان تین عقیدوں پر ایمان رکھنے کے علاوہ بعض اور امور ہیں جن کو ضروریات دین کہتے ہیں مسلمان کہلانے کا حقدار بننے کے لیے ان کی تکمیل ضروری ہے ان ضروریات کے تعین اور شمار کے لیے مجھے دو دن چاہئیں لیکن مثال کے طور پر میں یہ بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ احترام کلام اللہ وجوب نماز وجوب روزہ' وجوب حج مع الشرائط اور دوسرے بے شمار امور ضروریات ودین میں شامل ہیں۔

مولانا عبدالحلد بدایونی صدر جمعیت العلماء پاکستان

سوال : آپ کے نزدیک مسلمان کون ہے؟

جواب : جو شخص ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہے وہ مومن ہے اور ہر مومن مسلمان کہلانے کا حقدار ہے۔

سوال : ضروریات دین کون کون سی ہیں؟

جواب : جو شخص پنج ارکان اسلام پر اور ہمارے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو وہ ضروریات دین کو پورا کرتا ہے۔

سوال : آیا ان پنج ارکان اسلام کے علاوہ دوسرے اعمال کا بھی اس امر سے کوئی تعلق ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہے یا دائرہ اسلام سے خارج ہے؟ (نوٹ) گواہ کو سمجھا دیا گیا تھا کہ دوسرے اعمال سے وہ ضوابط اخلاقی مراد ہیں جو زمانہ حاضر کے معاشرے میں صحیح سمجھے جاتے ہیں)

جواب : جی ہاں یقیناً" تعلق ہے۔

سوال : پھر آپ ایسے شخص کو مسلمان نہیں کہیں گے جو ارکان خمسہ اور رسالت پیغمبر اسلام پر تو ایمان رکھتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کی چیزیں چرا لیتا ہے جو مال اس کے سپرد کیا جائے اس کو غبن کر لیتا ہے اپنے ہمسائے کی بیوی کے متعلق نیت بد رکھتا ہے اور اپنے محسن سے انتہائی ناشکری کا مرتکب ہوتا ہے؟

جواب : ایسا شخص اگر ان عقیدوں پر ایمان رکھتا ہے جو ابھی بیان کئے گئے ہیں تو ان تمام اعمال کے باوجود وہ مسلمان ہو گا۔

مولانا محمد علی کاندھلوی دارالشہابیہ سیالکوٹ :

سوال : ازراہ کرم مسلمان کی تعریف کیجئے؟

جواب : جو شخص نبی کریم ﷺ کے احکام کی تعمیل میں تمام ضروریات دین کو بجا لاتا

ہے وہ مسلمان ہے۔
سوال : کیا آپ ضروریات دین کی تعریف کر سکتے ہیں؟
جواب : ضروریات دین ہر مسلمان کو معلوم ہیں خواہ وہ دینی علم نہ رکھتا ہو۔
سوال : کیا آپ ضروریات دین کو شمار کر سکتے ہیں؟
جواب : وہ اتنی بے شمار ہیں کہ ان کا ذکر بے حد دشوار ہے میں ان ضروریات کو شمار نہیں کر سکتا بعض ضروریات دین کا ذکر کیا جا سکتا ہے مثلاً" صلوٰۃ و صوم وغیرہ۔
مولانا امین احسن اصلاحی :
سوال : مسلمان کون ہے؟
جواب : مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں ایک سیاسی مسلمان دوسرے حقیقی مسلمان۔ سیاسی مسلمان کہلانے کی غرض سے ایک شخص کے لیے ضروری ہے کہ (۱) توحید الٰہی پر ایمان رکھتا ہو۔ (۲) ہمارے رسول پاکؐ کو خاتم النبیین مانتا ہو یعنی اپنی زندگی کے متعلق تمام معاملات میں ان کو آخری سند تسلیم کرتا ہو۔ (۳) ایمان رکھتا ہو کہ ہر خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ (۴) روز قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ (۵) قرآن مجید کو آخری الہام الٰہی یقین کرتا ہو۔ (۶) مکہ معظمہ کا حج کرتا ہو۔ (۷) زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔ (۸) مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتا ہو (۹) اسلامی معاشرے کے ظاہرہ قواعد کی تعمیل کرتا ہو۔ (۱۰) روزہ رکھتا ہو جو شخص ان تمام شرائط کو پورا کرتا ہو وہ ایک اسلامی مملکت کے پورے شہری کے حقوق کا مستحق ہے۔ اگر وہ ان میں سے کوئی ایک شرط پوری نہ کرے گا تو وہ سیاسی مسلمان نہ ہو گا (پھر کہا) اگر کوئی شخص ان دس امور پر ایمان کا محض اقرار ہی کرتا ہو گو ان پر عمل کرتا ہو یا نہ کرتا تو یہ اس کے مسلمان ہونے کے لیے کافی ہے۔

حقیقی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے تمام احکام پر عین اس طرح ایمان رکھتا ہو اور عمل کرتا ہو جس طرح وہ احکام و ہدایات اس پر عائد کیے گئے ہیں۔
سوال : کیا آپ یہ کہیں گے کہ صرف حقیقی مسلمان ہی مرد صالح ہے؟
جواب : جی ہاں۔
سوال : اگر ہم آپ کے ارشاد سے یہ سمجھیں کہ آپ کے نزدیک سیاسی مسلمان

کہلانے کے لیے صرف عقیدہ کافی ہے اور حقیقی مسلمان بننے کے لیے عقیدے کے علاوہ عمل بھی ضروری ہے تو کیا آپ کے نزدیک ہم نے آپ کا مفہوم صحیح طور پر سمجھا ہے؟

جواب : جی نہیں۔ آپ میرا مطلب صحیح طور پر نہیں سمجھے سیاسی مسلمان کے معاملہ میں بھی عمل ضروری ہے میرا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان عقائد کے مطابق عمل نہیں کرتا جو ایک سیاسی مسلمان کے لیے ضروری ہیں تو وہ سیاسی مسلمانوں کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا۔

سوال : اگر کوئی سیاسی مسلمان ان باتوں پر ایمان نہ رکھتا ہو جن کو آپ نے ضروری بتایا ہے تو کیا آپ اس شخص کو بے دین کہیں گے؟

جواب : جی نہیں میں اسے محض بے عمل کہوں گا۔

صدر انجمن احمدیہ ربوہ کی طرف سے جو تحریری بیان پیش کیا گیا اس میں مسلم کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ مسلم وہ شخص ہے جو رسول پاک ﷺ کی امت سے تعلق رکھتا ہے اور کلمہ طیبہ پر ایمان کا اقرار کرتا ہے۔[1]

ان متعدد تعریفوں کو جو علماء نے پیش کی ہیں پیش نظر رکھ کر کیا ہماری طرف سے کسی تبصرے کی ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ دین کے کوئی دو عالم بھی اس بنیادی امر پر متفق نہیں ہیں اگر ہم اپنی طرف سے "مسلم" کی کوئی تعریف کر دیں جیسے ہر عالم دین نے کی ہے اور وہ تعریف ان تعریفوں سے مختلف ہو جو دوسروں نے پیش کی ہیں تو ہم کو متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا جائے گا اور اگر ہم علماء میں سے کسی ایک کی تعریف کو اختیار کر لیں تو ہم اس عالم کے نزدیک تو مسلمان رہیں گے لیکن دوسرے تمام علماء کی تعریف کی رو سے کافر ہو جائیں گے۔"

اس رپورٹ کے صفحہ ۲۲۶ پر ارتداد پر بحث کی گئی ہے جو حسب ذیل ہے۔

ارتداد

اسلامی مملکت میں ارتداد کی سزا موت ہے اس پر علماء عملاً" متفق الرائے ہیں۔۔۔ اس عقیدے کے مطابق چوہدری ظفر اللہ خان نے اگر اپنے موجودہ مذہبی عقائد ورثہ

میں حاصل نہیں کیے بلکہ وہ خود اپنی رضامندی سے احمدی ہوئے تھے تو ان کو ہلاک کر دینا چاہیے اور اگر مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری یا مرزا رضا احمد خان بریلوی یا ان بے شمار علماء میں سے کوئی صاحب ایسی اسلامی مملکت کے رئیس بن جائیں تو یہی انجام دیوبندیوں اور وہابیوں کا ہو گا۔ اور اگر مولانا محمد شفیع دیوبندی رئیس مملکت مقرر ہو جائیں تو وہ ان لوگوں کو جنھوں نے دیوبندیوں کو کافر قرار دیا ہے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں گے اور اگر وہ لوگ مرتد کی تعریف میں آئیں گے یعنی انہوں نے اپنے مذہبی عقائد ورثے میں حاصل نہ کیے ہوں گے بلکہ خود اپنا عقیدہ بدل لیا ہو گا تو مفتی صاحب ان کو موت کی سزا دیں گے۔ جب دیوبندیوں کا ایک فتویٰ جس میں اثنا عشری شیعوں کو کافر و مرتد قرار دیا گیا ہے۔ عدالت میں پیش ہوا تو کہا گیا کہ یہ اصل نہیں بلکہ مصنوعی ہے لیکن جب مفتی محمد شفیع نے اس امر کے متعلق دیوبند سے استفسار کیا تو اس دارالعلوم کے دفتر سے اس فتویٰ کی ایک نقل موصول ہو گئی ——— اس فتوے میں لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت صدیق اکبر کی صحابیت پر ایمان نہیں رکھتے جو لوگ حضرت عائشہ صدیقہ کے قاذف ہیں اور جو لوگ قرآن میں تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں وہ کافر ہیں۔ مسٹر ابراہیم علی چشتی نے بھی ——— اس رائے کی تائید کی ہے ان کے نزدیک شیعہ اپنے اس عقیدے کی وجہ سے کافر ہیں کہ حضرت علیؑ نبوت میں ہمارے رسول پاکؐ کے شریک تھے۔ مسٹر چشتی نے اس سوال کا جواب دینے سے انکار کیا ہے کہ اگر کوئی سنی اپنا عقیدہ بدل کر شیعوں کا ہم خیال ہو جائے تو آیا وہ اس ارتداد کا مرتکب ہو گا جس کی سزا موت ہے۔ شیعوں کے نزدیک تمام سنی کافر ہیں اور اہل قرآن یعنی وہ لوگ جو حدیث کو غیر معتبر سمجھتے ہیں اور واجب التعمیل نہیں مانتے۔ متفقہ طور پر کافر ہیں اور یہی حال آزاد منکرین کا ہے۔ اس تمام بحث کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ شیعہ، سنی، دیوبندی۔ بریلوی اہلحدیث لوگوں میں سے کوئی بھی "مسلم" نہیں اور اگر مملکت کی حکومت ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہو جو دوسری جماعت کو کافر سمجھتی ہے تو جہاں کوئی شخص ایک عقیدے کو بدل کر دوسرا اختیار کرے گا اس کو اسلامی مملکت میں لازماً موت کی سزا دی جائے گی اور جب یہ حقیقت مدنظر رکھی جائے کہ ہمارے سامنے "مسلم" کی تعریف کے معاملہ میں کوئی دو عالم بھی متفق الرائے نہیں ہو سکے تو اس عقیدے کے نتائج کا قیاس کرنے کے لیے کسی خاص قوت متخیلہ کی ضرورت نہیں۔ اگر

علما کی پیش کی ہوئی تعریفوں میں سے ہر تعریف کو معتبر سمجھا جائے پھر انہیں تحلیل و تحویل کے قاعدے کے ماتحت لایا جائے اور نمونے کے طور پر الزام کی وہ شکل اختیار کی جائے جو گلیلیو کے خلاف انکوزیشن کے فیصلہ میں اختیار کی گئی تھی تو ان وجوہ کی تعداد بے شمار ہو جائے گی جن کی بنا پر کسی شخص کا ارتداد ثابت کیا جا سکے۔

اس رپورٹ کے کسی سابق حصے میں "الشہاب" کی ضبطی کا حوالہ دیا گیا تھا یہ کتابچہ مولانا شبیر احمد عثمانی کا لکھا ہوا تھا جو بعد میں پاکستان کے شیخ الاسلام بن گئے تھے۔ اس کتابچے میں مولانا نے قرآن' سنت' اجماع اور قیاس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام میں ارتداد کی سزا موت ہے اس دینیاتی عقیدے کو پیش کرنے کے بعد مولانا نے اس کتابچے میں بطور بیان واقعہ یہ لکھا تھا کہ حضرت صدیق اکبر اور بعد کے خلفاء کے زمانوں میں عرب کے وسیع رقبے بارہا مرتدین کے خون سے رنگین ہوئے۔ یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم اس عقیدے کی صحت یا عدم صحت کے متعلق اپنی رائے ظاہری کریں لیکن یہ جانتے ہوئے کہ حکومت پنجاب کے پاس اس کتابچے کی ضبطی کی تجویز وزیر داخلہ نے بھیجی تھی ہم اپنے آپ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر حکومت نے ایسا قدم کیوں اٹھایا جس سے ایک ایسے عقیدے کی مذمت لازم آئی جو مولانا کے دعویٰ کے مطابق قرآن اور سنت سے اخذ کیا گیا تھا ارتداد کے لیے سزائے موت بہت دوررس متعلقات کی حامل ہے۔ اور اس سے اسلام مذہبی جنونیوں کا دین ظاہر ہوتا ہے جس میں حریت فکر مستوجب سزا ہے۔ قرآن تو بار بار عقل و فکر پر زور دیتا ہے۔ رواداری کی تلقین کرتا ہے اور مذہبی امور میں جبر و اکراہ کے خلاف تعلیم دیتا ہے لیکن ارتداد کے متعلق جو عقیدہ اس کتابچے میں پیش کیا گیا ہے وہ آزادی فکر کی جڑ پر ضرب لگا رہا ہے کیونکہ اس میں یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ جو شخص پیدائشی مسلمان ہو یا خواہ اسلام قبول کر چکا ہو وہ اگر اس خیال سے مذہب کے موضوع پر فکر کرے کہ جو مذہب اسے پسند آئے اس کو اختیار کرے وہ سزائے موت کا مستوجب ہو گا۔ اس اعتبار سے اسلام کامل ذہنی فالج کا پیکر بن جاتا ہے اور اگر اس کتابچے کا یہ بیان صحیح ہے کہ عرب کے وسیع رقبے بارہا انسانی خون سے رنگین ہوئے تھے تو اس سے یہی نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عین اس زمانے میں جب اسلام عظمت و شوکت کے نقطہ عروج پر تھا اور پورا عرب اس کے زیر نگیں تھا اس ملک میں بے شمار ایسے لوگ موجود تھے جو اس مذہب سے منحرف

ہو گئے تھے اور انہوں نے اس نظام کے ماتحت رہنے پر موت کو ترجیح دی تھی ــــــ وزیر موصوف نے ــــ ضرور یہ سوچا ہو گا کہ اس کتابچے کے مصنف نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ اس نظیر پر مبنی ہے جو عہد نامہ عتیق کے فقرات ۲۶-۲۷-۲۸ میں مذکور ہے اور جس کے متعلق قرآن کی دوسری سورت کی چوتویں آیت میں جزوی سا اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نتیجہ کا اطلاق اسلام سے ارتداد پر نہیں ہو سکتا اور چونکہ قرآن مجید میں ارتداد پر سزائے موت کی کوئی واضح آیت موجود نہیں اس لیے کتابچے کے مصنف کی رائے بالکل غلط ہے بلکہ اس کے برعکس ایک تو سورہ کافرون کی چھ آیات میں اور دوسری سورت کی آیہ لا اکراہ کی تہہ میں جو مفہوم ہے اس سے وہ نظریہ بالکل غلط ثابت ہوتا ہے جو "شہاب" میں قائم کیا گیا ہے اس سورت میں وہ بنیادی خصوصیت واضح کی گئی ہے جو کردار انسانی میں ابتدائے آفرینش سے موجود ہے اور لااکراہ والی آیت میں جس کا متعلقہ حصہ صرف نو الفاظ پر مشتمل ہے۔ ذہن انسانی کی ذمہ داری کا قاعدہ ایسی صحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر صورت ممکن نہیں۔ یہ دونوں متن جو الہام الٰہی کے ابتدائی دور سے تعلق رکھتے ہیں انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے اس اصول و بنیاد کی اساس ہیں جس کو معاشرہ انسانی نے صدیوں کی جنگ و پیکار اور نفرت و خونریزی کے بعد اختیار کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ یہ انسان کے اہم ترین بنیادی حقوق میں سے ہے لیکن ہمارے علما و محققین اسلام کو جنگجوئی سے کبھی علیحدہ نہیں کریں گے۔

ارتداد کی سزا کیا ہونی چاہئے اور آیا غیر مسلموں کو علی الاعلان اپنے مذہب کی تبلیغ کا حق ہے یا نہیں۔ یہ دونوں مسئلے باہم مربوط ہیں' جس اصول کے ماتحت ایک مرتد کو سزائے موت دی جاتی ہے اسی کا اطلاق کفر کی علی الاعلان تبلیغ پر بھی ہونا چاہئے چنانچہ مولانا ابوالحسنات' غازی سراج الدین منیر اور ماسٹر تاج الدین انصاری نے اس کا اعتراف کیا صرف آخرالذکر نے اس معاملہ میں اپنی رائے کو علماء کی رائے کے تحت رکھا ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں اسلام کے سوا کسی اور مذہب کو کھلم کھلا تبلیغ کی اجازت نہ ہو گی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے خیالات بھی اس موضوع پر اسی قسم کے ہیں جو انہوں نے اپنے کتابچہ "اسلام میں مرتد کی سزا" میں ظاہر کئے ہیں ــــ اگر یہ نظریہ مسلم قرار دیا جائے کہ ارتداد کی سزا موت ہو گی اور اسلام کے خلاف کسی حملے یا خطرے کو

بھی غداری قرار دیا جائے گا اور اس کی سزا بھی وہی ہو گی جو ارتداد کی ہے تو اس کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ غیر مسلم مذہب کی کھلم کھلا تبلیغ ممنوع قرار پائے گی۔

اس رپورٹ کے صفحات ۲۳۹ پر جہاد کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

جہاد

اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ جن مسائل پر مسلمانوں اور احمدیوں کے درمیان اختلاف ہے ان میں ایک جہاد بھی ہے اس عقیدے سے بے شمار دوسرے متعلقہ امور سامنے آتے ہیں مثلاً" غازی' شہید' جہاد بالسیف' جہاد فی سبیل اللہ' دارالسلام' دارالحرب' ہجرت' غنیمت خمس اور غلامی کے معنی کیا ہیں۔ اور یہ تصورات زمانہ حاضر کے بین الاقوامی مسائل مثلاً" جارحیت' قطع نسل' بین الاقوامی فوجداری کا دائرہ اثر' بین الاقوامی معاہدہ اور بین الاقوامی قانون عامہ کے قواعد سے کس حد تک متصادم ہوتے ہیں اور کس حد تک ان میں تطابق ہو سکتا ہے۔

اسلامی مملکت دارالسلام ہے یعنی وہ مملکت جس میں اسلام کے احکام نافذ ہوں اور جس کا حاکم مسلمان ہو۔ دارالسلام کے باشندے مسلمان بھی ہوتے ہیں اور وہ غیر مسلم بھی جنہوں نے مسلم اقتدار کے سامنے گردن اطاعت جھکا دی ہو اور جن کو مملکت اسلامی نے بعض قیود کے ماتحت اور شہرت کاملہ حاصل ہونے کے امکان کے بغیر ان کے جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دی ہو لیکن ان کا اہل کتاب ہونا ضروری ہے۔ وہ بت پرست ہرگز نہ ہوں مملکت اسلامی نظریاتی اعتبار سے اپنے ہمسایہ غیر مسلم ملک سے دائما" سرد جنگ رہتی ہے کیونکہ ممکن ہے وہ کسی وقت دارالحرب بن جائے اگر ایسا ہو تو اس ملک کے مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ اسے چھوڑ کر اپنے برادران دینی کے ملک میں چلے آئیں ہم نے یہ پہلو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے ذیل کے خیالات ظاہر کئے :

سوال : جو ملک دارالسلام کی سرحد پر واقع ہو کیا وہ ایک اسلامی مملکت کے مقابلہ میں ہمیشہ دارالحرب کی حیثیت رکھتا ہے؟

جواب : جی نہیں۔ اگر دونوں کے درمیان کوئی مصالحت کا معاہدہ موجود ہو تو اسلامی

مملکت بالقوۃ اپنے غیر مسلم ہمسایہ سے بر سر جنگ رہے گی کوئی غیر مسلم ملک صرف اس صورت میں دارالحرب کی حیثیت اختیار کرتا ہے جب اسلامی مملکت اس کے خلاف رسمی حیثیت سے اعلان جنگ کرے۔ غیاث اللغات کی رو سے دارالحرب کافروں کا وہ ملک ہے جس کو اسلام نے مطیع نہ کیا ہو کسی ملک کے دارالحرب بننے کے نتائج مختصر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں یوں بیان کئے گئے ہیں :

"جب کوئی ملک دارالحرب بن جائے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس میں سے نکل جائیں اور اور جو بیوی اس وقت اپنے شوہر کا ساتھ دینے سے انکار کرے گی اس پر خودبخود طلاق واقع ہو جائے گی۔"

پس اگر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ہو جائے اور پاکستان اس وقت اسلامی مملکت ہو تو اسے سرحد پار سے چار کروڑ مسلمانوں کے استقبال کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

غیر مسلم مملکتوں کے مسلمانوں کا رد عمل

صفحہ ۲۲۵

جس نظریہ کی بنا پر پاکستان میں اسلامی مملکت کی بنیاد رکھنے کی خواہش کی جاتی ہے اس کے بعض نتائج ان مسلمانوں پر ضرور اثرانداز ہوں گے جو غیر مسلم حکمرانوں کے ماتحت ممالک میں آباد ہیں۔ ہم نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے سوال کیا کہ آیا ایک مسلمان ایک غیر مسلم مملکت کا وفادار رعایا ہو سکتا ہے ان کا جواب ذیل میں درج ہے۔

سوال : کیا آپ کی رائے میں ایک مسلمان ایک کافر حکومت کے احکام کی تعمیل کا پابند ہو سکتا ہے؟

جواب : یہ ممکن نہیں کہ کوئی مسلمان کسی غیر مسلم حکومت کا وفادار ہو۔

سوال : کیا چار کروڑ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ممکن ہے کہ وہ اپنی مملکت کے وفادار شہری ہوں۔

جواب : جی نہیں۔

یہ جواب اس نظریئے کے بالکل مطابق ہے جو ہمارے سامنے پرزور طریق پر پیش کیا گیا لیکن اگر پاکستان کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے دستور کی بنیاد مذہب پر رکھے تو یہی حق ان ملکوں کو بھی دینا ہو گا۔ جن میں مسلمان کافی بڑی اقلیتوں پر مشتمل ہیں یا جو کسی ایسے ملک میں غالب اکثریت رکھتے ہیں جن میں حاکیت کسی غیر مسلم قوم کو حاصل ہے لہذا ہم نے مختلف علماء سے یہ سوال کیا کہ اگر پاکستان میں غیر مسلموں کے ساتھ شہریت کے معاملات میں مسلموں سے مختلف سلوک کیا جائے تو کیا علما کو اس امر پر کوئی اعتراض ہو گا کہ دوسرے ملکوں میں مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ رکھا جائے۔
اس سوال کے جوابات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں :

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیت العلماء پاکستان

سوال : کیا آپ ہندوؤں کا جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ اپنے ہاں ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کر لیں؟

جواب : جی ہاں۔

سوال : اگر اس نظام حکومت میں منوشاستر کے ماتحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں کا سا سلوک کیا جائے تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہو گا؟

جواب : جی نہیں۔

مولانا ابوالا علی مودودی :

سوال : اگر ہم پاکستان میں اس شکل کی اسلامی حکومت قائم کر لیں تو کیا آپ ہندوؤں کو اجازت دیں گے کہ وہ اپنے دستور کی بنیاد اپنے مذہب پر رکھیں؟

جواب : مجھے یقیناً اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا کہ حکومت کے اس نظام میں مسلمانوں سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جائے اور انھیں حکومت میں حصہ اور شہریت کے حقوق قطعاً نہ دیئے جائیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت بھی ہندوستان کے صورت حالات یہی ہے۔

امیر شریعت سید عطا اللہ شاہ بخاری :

سوال : ہندوستان میں کتنے کروڑ مسلمان آباد ہیں؟

جواب : چار کروڑ

سوال : کیا آپ کو اس امر پر اعتراض ہو گا کہ ان پر منو کے قوانین عائد کئے جائیں

جن کے ماتحت انہیں کوئی شہری حق حاصل نہ ہو گا اور ان سے ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کیا جائے گا۔

جواب : میں پاکستان میں ہوں اور ان کو مشورہ نہیں دے سکتا۔

میاں طفیل محمد : (جماعت اسلامی)

سوال : دنیا میں مسلمانوں کی آبادی کس قدر ہے؟

جواب : پچاس کروڑ۔

سوال : اگر آپ کے قول کے مطابق مسلمانان عالم کی کل آبادی پچاس کروڑ ہے اور پاکستان، سعودی عرب، یمن، انڈونیشیا، مصر، ایران، شام، لبنان، مشرقی اردون، ترکی اور عراق کے مسلمانوں کی تعداد بیس کروڑ سے زیادہ نہیں تو کیا آ کے نظریہ کا یہ نتیجہ نہ ہو گا کہ تیس کروڑ مسلمانان عالم محض لکڑی کاٹنے اور پانی بھرنے والے بن جائیں گے۔

جواب : میرے نظریئے کا اثر ان کی حیثیت پر نہ ہونا چاہئے۔

سوال : کیا اس حالت میں بھی کہ ان سے مذہبی بنا پر غیر مساوی سلوک کیا جائے اور معمولی حقوق شہریت سے بھی محروم کر دیا جائے؟

جواب : جی ہاں۔

اس گواہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم حکومت اپنے ملک کی سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو اسامیاں پیش بھی کرے تو ان کا فرض ہو گا کہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں۔

غازی سراج الدین منیر :

سوال : کیا آپ پاکستان میں اسلامی مملکت کا قیام چاہتے ہیں؟

جواب : یقیناً

سوال : اگر ہمسایہ ملک اپنے سیاسی نظام کو اپنے مذہب پر مبنی قرار دے تو اس پر آپ کا ردعمل کیا ہو گا؟

جواب : اگر وہ چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔

سوال : کیا آپ ان کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانان ہند کو شودر اور ملیچھ قرار دے دیں اور انہیں کسی قسم کا شہری حق نہ دیں۔

جواب : ہم انتہائی کوشش کریں گے کہ ایسی حرکت سے پہلے ہی ان کی سیاسی حاکمیت

ختم کر دی جائے ہم ہندوستان کے مقابلے میں بہت طاقتور ہیں ہم ضرور اتنے مضبوط ہوں گے کہ ہندستان کو ایسا کرنے سے روک دیں۔

سوال : کیا تبلیغ اسلام مسلمانوں کے مذہبی فرائض میں شامل ہے؟

جواب : جی ہاں۔

سوال : کیا مسلمانان ہند کا بھی یہ فرض ہے کہ علی الاعلان اپنے مذہب کی تبلیغ کریں؟

جواب : ان کو اس کا حق حاصل ہونا چاہئے۔

سوال : اگر ہندوستانی مملکت مذہبی بنیاد پر قائم کر دی جائے اور وہ اپنے مسلم باشندوں کو تبلیغ مذہب کے حق سے محروم کر دے تو کیا ہو گا؟

جواب : اگر ہندوستان کوئی ایسا قانون وضع کرے گا تو خود چونکہ میں تحریک توسیع پر ایمان رکھتا ہوں اس لیے ہندوستان پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لوں گا۔

گویا مذہبی وجوہ کی بنا پر امتیازی سلوک کی باہم مساوات کا یہ جواب ہے۔

ماسٹر تاج الدین انصاری :

سوال : کیا آپ چار کروڑ مسلمانان ہند کے لیے بھی وہی نظریہ پسند کریں گے جو آپ مسلمانوں کے لیے پیش کر رہے ہیں؟

جواب : وہ نظریہ اختیار کرنے کے بعد تو وہ ایک منٹ کے لیے ہندوستان میں نہ رہ سکیں گے۔

سوال : کیا مسلمان کا نظریہ ہر مقام پر اور ہر وقت بدلتا رہتا ہے؟

جواب : جی نہیں۔

سوال : پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمانان ہند بھی وہی نظریہ اختیار نہ کریں جو آپ کا ہے؟

جواب : اس کا جواب انہی کو دینا چاہئے۔

ہمارے سامنے جس نظریہ کی حمایت کی گئی ہے اس کو اگر ہندوستان کے مسلمان اختیار کر لیں تو وہ مملکت کے سرکاری عہدوں سے کلیتاً محروم ہو جائیں گے اور صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی ان کا یہی حشر ہو گا جہاں غیر مسلم حکومتیں قائم ہیں۔ مسلمان ہر جگہ دائمی طور پر مشتبہ ہو جائیں گے اور فوج میں بھرتی نہ کئے جائیں گے کیونکہ اس نظریہ کے مطابق کسی ملک اور کسی غیر مسلم ملک کے درمیان جنگ ہونے کی صورت میں غیر مسلم ملک کے مسلم سپاہیوں کے لیے کوئی چارہ

نہیں کہ یا تو مسلم ملک کا ساتھ دیں یا اپنے عہدوں سے مستعفی ہو جائیں ہم نے اس مسئلہ پر دو عالموں سے سوالات کیے جن کے جوابات درج ذیل ہیں :

مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمیعت العلماء پاکستان :

سوال : ہندوستان اور پاکستان کی درمیان جنگ ہونے کی صورت میں مسلمانان ہند کا فرض کیا ہو گا؟

جواب : ان کا فرض ظاہر ہے کہ انہیں ہمارا ساتھ دینا چاہیئے اور ہندوستان کی جانب سے ہمارے خلاف نہ لڑنا چاہیئے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی :

سوال : ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ ہونے کی حالت میں مسلمانان ہند کا فرض کیا ہو گا؟

جواب : ان کا فرض ظاہر ہے کہ وہ پاکستان کے خلاف نہ لڑیں اور نہ کوئی ایسا فعل کریں جو پاکستان کی سلامتی کے لیے مضر ہو۔

دوسرے اثرات

صفحہ ۲۲۸

اسلامی مملکت کے دوسرے اثرات و نتائج یہ ہوں گے کہ ہر قسم کی سنگ تراشی' تاش بازی' تصویر کشی' انسانی عکسوں کی تصاویر' موسیقی' رقص' مخلوط اداکاری سینما تھیٹر سب کچھ بند کر دینا ہو گا۔ مولانا عبدالحلیم قاسمی نمائندہ جمیعت العلماء پاکستان کا قول ملاحظہ ہو۔

سوال : تشبیہہ اور تمثیل کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : آپ مجھ سے کوئی معین سوال کیجئے۔

سوال : لہو و لعب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب : اس سوال کا جواب بھی وہی ہے جو دے چکا ہوں۔

سوال : انسانوں کی تصویر کھینچنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب : اگر اس قسم کی تصویر کشی ضروری ہو جائے تو اس کے خلاف کچھ اعتراض

نہیں۔

سوال : عکسی تصویر (فوٹوگرافی) کے متعلق آپ کا خیال کیا ہے؟

جواب : میرا جواب وہی ہے جو تصویر کشی کے متعلق دے چکا ہوں۔

سوال : سنگ تراشی بحیثیت فن کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب : یہ ہمارے مذہب میں ممنوع ہے۔

سوال : کیا آپ تاش بازی کو بھی لہو و لعب میں شمار کرتے ہیں؟

جواب : جی ہاں یہ لہو و لعب میں شامل ہے۔

سوال : رقص و موسیقی کے متعلق کیا خیال ہے؟

جواب : یہ ہمارے دین میں ممنوع ہیں۔

سوال : ڈراما اور اداکاری کے متعلق آ کی کیا رائے ہے؟

جواب : اس کا انحصار اس امر پر ہے کہ آپ کا مطلب کس قسم کی اداکاری سے ہے اگر اس میں بے حیائی اور مرد عورت کا اختلاط لازم ہو تو شرع اسلامی اس کے خلاف ہے۔

سوال : اگر مملکت آپ کے نظریات پر مبنی ہو جائے تو کیا آپ کوئی ایسا قانون وضع کریں گے جس کے ماتحت تصویر کشی انسانوں کی فوٹوگرافی' سنگ تراشی' تاش بازی' موسیقی' رقص' اداکاری اور تمام سینما اور تھیٹر ممنوع قرار پائیں؟

جواب : ان تمام مشاغل کی موجودہ صورت دیکھ کر تو میرا جواب اثبات میں ہے۔

مولانا عبدالحلد بدایونی اس امر کو معصیت قرار دیتے ہیں کہ اناٹمی کے پروفیسر طلبہ کو تشریح اعضا کی تعلیم دینے کے لیے مسلموں کی نعشوں پر عمل جراحی کریں۔ فوجی سپاہی اور پولیس کے سپاہی کو حق حاصل ہو گا کہ مذہبی وجوہ کی بنا پر اپنے حاکم اعلیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کرے۔ اس پر مولانا ابوالحسنات کا خیال حسب ذیل ہے :

"میرا ایمان ہے کہ اگر کسی پولیس مین کو کسی ایسے فعل کا حکم دیا جائے جس کو ہم اپنے مذہب کے خلاف سمجھیں تو پولیس مین کا فرض ہو گا کہ حاکم کے حکم کو نہ مانے اگر پولیس کی جگہ فوج کا لفظ رکھ دیا جائے جب بھی میرا جواب یہی ہو گا۔

سوال : کل آپ نے بیان کیا تھا کہ اگر کوئی حاکم اعلیٰ پولیس یا فوج کے کسی سپاہی کو

ایسے فعل کا حکم دے جو آپ کے نزدیک مذہب کے خلاف ہو تو پولیس یا فوج کے اس سپاہی کا فرض ہو گا کہ اس حاکم کا حکم ماننے سے انکار کر دے۔ کیا آپ پولیس یا فوج کے سپاہی کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ خود ہی ایسی حکم کے متعلق فیصلہ کر لے کہ وہ مذہب کے خلاف ہے؟

جواب : یقیناً" اسے یہ حق ہے۔

سوال : فرض کیجئے پاکستان اور کسی دوسرے مسلم ممالک کے درمیان جنگ چھڑ جائے اور فوجی سپاہی یہ محسوس کرے کہ پاکستان غلطی پر ہے اور دوسرے ملک کے کسی سپاہی پر گولی چلانا مذہب کے خلاف ہے کیا آپ ایسے سپاہی کو اپنے کمانڈنگ افسر کی نافرمانی میں حق بجانب سمجھیں گے؟

جواب : ایسی حالت میں فوجی سپاہی کو چاہئے کہ علما سے فتویٰ حاصل کرے۔

ہم نے اسلامی مملکت کے موضوع پر ذرا طویل بحث کی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ ہم ایسی مملکت کی مخالفت یا حمایت میں کوئی مقالہ ضبط تحریر میں لانا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا محض یہ مقصد تھا کہ اگر اس نظریاتی ابتری کے صحیح اسباب صریحاً" معین نہ کئے گئے جس نے فسادات کی وسعت و شدت میں اضافہ کر دیا تھا تو ان بے شمار امکانات کی ایک واضح تصویر سامنے آ جائے۔ جو آئندہ واقعہ ہو سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ابتری اور ژولیدگی موجود تھی ورنہ مسلم لیگی جن کی اپنی حکومت برسراقتدار تھی اس کے خلاف کھڑے نہ ہو جاتے۔ سرکاری ملازموں کے دلوں سے وفاداری اور فرض عامہ کی بجاآوری کی حس رخصت نہ ہو گئی ہوتی اور وہ اپنی ہی حکومت اور اپنے ہی افسروں کے خلاف دیوانوں کی طرح ہاؤ ہو نہ کرتے پھرتے عام آدمیوں کے دل سے انسانی جان و مال کا احترام غائب نہ ہو گیا ہوتا۔ اور وہ ضمیر کی کسی ملامت یا تامل کے بغیر آزادانہ لوٹ مار میں مصروف نہ ہو جاتے ارباب سیاست ان لوگوں کا سامنا کرنے سے احتراز نہ کرتے جنہوں نے ان کو عہدوں پر فائز کیا تھا اور نظم حکومت کے ذمہ دار اپنے واضح فرض کی بجاآوری میں تامل اور بے دلی محسوس نہ کرتے۔ ایک بات تو اس تحقیقات میں قطعی طور پر ثابت ہو چکی ہے کہ اگر ایک دفعہ عوام کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو ان سے کہا جا رہا ہے وہ مذہبی اعتبار سے صحیح ہے یا مذہب نے اس کا حکم دیا ہے تو ان کو ہر عمل پر آمادہ کیا جا سکتا ہے جس میں وہ ضبط و نظم' وفاداری' شائستگی' اخلاق اور حس

شہریت کے تمام مصالح کو آگ لگا دیں گے۔

عام آدمی پاکستان کو ایک اسلامی مملکت سمجھتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اس عقیدے کو اس مسلسل چیخ و پکار سے تقویت پہنچی ہے جو اسلام اور اسلامی مملکت کے متعلق قیام پاکستان کے وقت سے اب تک مختلف حلقوں کی طرف سے مچائی جا رہی ہے۔ اسلامی مملکت کے خواب نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو پریشان کیا ہے اور یہ اس شاندار ماضی کی یاد کا نتیجہ ہے جب اسلام دنیا کے ایک ذوروست گوشے یعنی عرب کے بیابانوں سے طوفان کی طرح اٹھا اور چشم زدن میں دنیا پر چھا گیا۔ اس نے دیوتاؤں کو جو ابتدائے آفرینش سے انسان پر حکومت کر رہے تھے ان کی مسندوں سے اتار پھینکا صدیوں کے قدیم اوارت اور اوہام کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ ڈالا اور ان تمام تہذیبوں کا قلع قمع کر دیا جن کی بنیاد دین انسان کی غلامی پر اٹھائی گئی تھیں۔ ایک سو پچیس سال کی مدت انسانی تاریخ میں بلکہ کسی قوم کی تاریخ میں بھی کیا حیثیت رکھتی ہے۔

لیکن اسلام اتنی مدت کے اندر اٹک سے اطلانٹک اور اسپین تک اور چین کی سرحد سے معر تک پھیل گیا۔ اور صحرا کے فرزندوں نے تہذیب و تمدن کے تمام پرانے مرکزوں پر قبضہ کر لیا مثلاً" طیسفون' دمشق' اسکندریہ' ہندوستان اور ان تمام مقللت پر جو سمیری اور آشوری تہذیبوں سے منسوب و متعلق تھے۔ مورخین نے اکثر یہ سوال اٹھایا ہے کہ اگر معاویہ کا محاصرہ قسطنطنیہ کامیاب ہو گیا ہوتا یا اگر جنوبی فرانس اور طورس کے میدانوں میں چارلس مارٹل کے خلاف جنگ کرتے ہوئے عبدالرحمٰن کے مجاہدین میں دفعتاً" عربوں کی لوٹ مار کی پرانی جبلت بیدار نہ ہو گئی ہوتی تو آج دنیا کی حالت کیا ہوتی۔ شاید مسلمان کولمبس سے بہت پہلے امریکہ کو دریافت کر چکے ہوتے اور ساری دنیا مسلمان ہو گئی ہوتی بلکہ شاید خود اسلام یورپ کے سانچے میں ڈھل گیا ہوتا۔ عرب کے خانہ بدوشوں کی اس شاندار کامیابی کی کوئی مثال اس سے پیشتر دنیا نے نہ دیکھی تھی اور یہی وہ کامیابی ہے جس کی یاد کے باعث مسلمان ماضی کے تصورات میں غرق رہتا ہے اور اس عظمت کو دوبارہ حاصل کرنے کا خواہاں ہے جو ایک زمانے میں اسلام سے وابستہ تھی۔ آج مسلمان یاد ماضی کا لبادہ اوڑھے صدیوں کا بھاری بوجھ اپنی پشت پر لادے مایوس و مبہوت ایک دوراہے پر کھڑا ہے اور فیصلہ نہیں کر سکتا کہ دونوں میں سے کس موڑ کا رخ کرے۔ دین کی وہ تازگی اور سادگی جس نے ایک

زمانے میں اس کے ذہن کو عزم صمم اور اس کے عضلات کو لچک عطا کی تھی۔ آج اس کو حاصل نہیں ہے اس کے پاس نہ فتوحات حاصل کرنے کے وسائل ہیں نہ اہلیت ہے اور نہ ایسے ممالک ہی موجود ہیں جن کو فتح کیا جا سکے۔ مسلمان بالکل نہیں سمجھتا کہ جو قوتیں آج اس کے خلاف صف آراء ہیں وہ ان قوتوں سے بالکل مختلف ہیں جن سے اس کو ابتدائے اسلام میں جنگ کرنی پڑی تھی اور اس کے آباؤ اجداد ہی کی رہنمائی سے ذہن انسانی نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جن کے سمجھنے سے وہ قاصر ہے لہذا وہ اپنے آپ کو عجیب بے بسی کی حالت میں پاتا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کوئی آئے اور اسے اس بے یقینی اور ژولیدگی کی دلدل سے باہر نکلنے میں مدد دے لیکن وہ برابر یونہی انتظار کرتا رہے گا اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ صرف ایک ہی چیز ہے جو اسلام کو ایک عالمگیر تصور کی حیثیت سے محفوظ رکھ سکتی ہے اور مسلمان کو جو آج ضد و قدامت کا پیکر بنا ہوا ہے اسے دنیائے حال اور دنیائے مستقبل کا شہری بنا سکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلام کی نئی تاویل و تشکیل دلیرانہ کی جائے جو زندہ حقائق کو مردہ تصورات سے الگ کر دے۔ واضح اور دلیرانہ فکر کا یہی فقدان ہے اور فہم و فیصلہ کی یہی نااہلیت ہے جس نے پاکستان میں یہ ابتری پھیلا رکھی ہے یہ ابتری برابر جاری رہے گی اور اس قسم کی صورت حالات جس کے متعلق ہم تحقیقات کر رہے ہیں۔ بار بار پیدا ہوتی رہے گی تاوقتیکہ ہمارے لیڈر منزل مقصود کا اور اس تک پہنچنے کے ذرائع کا صاف اور واضح تصور قائم نہ کریں۔ یہ سمجھنے کے لیے کسی خاص تخیل کی ضرورت نہیں کہ ناقابل مصالحت عناصر ناقابل مصالحت ہی رہیں گے خواہ آپ کا یقین یا مقصود اس کے خلاف ہو جو اصول باہم متصادم ہوں ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو گے تو نتیجہ بدنظمی اور ابتری کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ اور اگر ان کو بے اثر بنانے کا کوئی نسخہ استعمال کیا جائے گا تو اس کا نتیجہ مردہ اور بے جان ہو گا جب تک ہمارے لیڈروں میں اس امر کی خواہش اور قابلیت پیدا نہ ہو گی کہ وہ دو نظریوں کے تصادم پر کسی ایک کو منتخب کر لیں بے یقینی کی حالت برابر قائم رہے گی۔ اگر ہم جہاں ریتی کی ضرورت ہے وہاں ہتھوڑا استعمال کرنا چاہیں گے اور اسلام سے ان عقدوں کے حل کرنے کی توقع رکھیں گے جن کو حل کرنا اس کا کبھی مقصود نہ تھا مایوسی' نامرادی اور دل شکستگی برابر ہمارے شامل حال رہے گی وہ مقدس دین جس کا نام اسلام ہے برابر زندہ رہے گا خواہ ہمارے لیڈر اس کو نافذ کرنے

کے لیے موجود نہ بھی ہوں۔ دین اسلام فرد میں اس کی روح اور اس کے نقطہ نگاہ میں مہد سے لحد تک خدا اور بندوں کے ساتھ تعلقات میں زندہ ہے اور زندہ رہے گا اور ہمارے ارباب سیاست کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اگر احکام الٰہی ایک انسان کو مسلمان نہیں رکھ سکتے تو ان کے قوانین یہ کام انجام نہیں دے سکتے۔"

نتیجہ

اس کتاب اور مذکرہ رپورٹ کے مطالعہ کے بعد قارئین کتاب اس نتیجہ پر بلا تامل پہنچ سکتے ہیں کہ اسلامی مملکت کے خواب نے ہر زمانے میں مسلمانوں کو پریشان کیا ہے اور یہ اس شاندار ماضی کا نتیجہ ہے جب کہ مسلمان اسلام کے نام پر فتوحات کرکے اپنی سلطنتوں کو قائم کرتے رہے۔ تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے کہ ماضی میں اسلام کے نام پر کتنی جنگیں ہوئیں نہ صرف غیراسلام طاقتوں اور مسلمانوں کے درمیان بلکہ ایسے بھی ادوار گزرے ہیں کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کا خون بہایا ہے دونوں فریق اسلام کے دعویدار بن کر ایک دوسرے کے مقابل صف آراء نظر آتے ہیں۔ کیا حقیقتاً" ان کا یہ عمل اسلام کی بقا کے لیے اسلامی قانون کے نافذ کے لیے اور اسلامی معاشرہ کی ترویج کے لیے تھا یا اپنی ذات' اپنی ہوس جاہ و حشم' اپنے اقتدار اور اپنے قانون کے نفاذ کے لیے تھا۔ مختلف تحریکیں آج بھی اسلام کے نام پر جنم لے رہی ہیں اور سیاستدان یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی تحریک اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک دین کا غلاف اس پر نہ چڑھایا جائے اور اس تحریک کے جھنڈے پر دین کا نام نہ لکھا جائے اور دین کا نعرہ نہ لگایا جائے ایسا کیوں؟ اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ دین میں جتنی جاذبیت ہے اتنی کسی اور چیز میں نہیں۔ لہذا اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے وہ عوام کو اس نام پر استعمال کرتا ہے۔ اور جب وہ برسراقتدار آ جاتا ہے تو اس کو اپنی ذات اپنے خاندان کے افراد اپنی قوم کے افراد کی بہبود کا خیال رہتا ہے۔ عوام کے حقوق آزادی اور بہبودی خلق کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اپنے اقتدار و اختیار کا استعمال صرف اور صرف ایک ہی طبقہ اور ایک ہی نظریہ کے لیے کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ اختلافات کی شکل میں ظاہر ہونے لگتا ہے اور یہ خلیج بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کر لیتی ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اختلاف کیوں پیدا ہوا اس لیے کہ مرکز تقسیم حقوق مادی تھا جس نے تقسیم حقوق میں ظلم سے کام لیا اور صرف اپنے قریب کے افراد کے حقوق کا احساس کیا اور دوسروں کی ضروریات کو نظرانداز کیا تو عدل مفقود۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حاکم اور محکوم اپنے اپنے مقاصد کے حصول کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔

اور اگر مرکز تقسیم حقوق ایک ایسی ذات ہو جو خود کسی ملک' خاندان' نسل' فرقہ کا نہ ہو تو جب اس کی طرف سے حقوق و فرائض کا کوئی قانون بنے گا تو ہر ایک ضمیر مطمئن ہو گا کہ اس کے ساتھ انصاف ہو گا۔ وہ ایسا قانون ہی نہیں بنائے گا جو کسی ایک فرقہ' نسل' یا طبقہ کے مفاد میں ہو بلکہ وہ سب کے لیے یکساں ہو گا۔ اس صورت میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں رہتی۔ آئیے ہم ایسے مرکز تقسیم حقوق کو تلاش کرتے ہیں۔ مذہب وہی قانون ہے جو ایک ایسی ہی ذات کی طرف سے آتا ہے جو ہم سب کا خالق ہے اس لیے اس میں کسی کے ساتھ ناانصافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا غور کیجئے کہ جس جس چیز کو مسلمان نے خدا کی طرف سے مان لیا پھر اس میں اختلاف نہیں ہوا۔ مسلمان نے قبلے کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو کعبہ نہیں ہوئے۔ قرآن کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو قرآن نہیں ہوئے۔ رسول ﷺ کو خدا کی طرف سے مان لیا تو دو پیغمبر نہیں ہوئے تو جس جس چیز کو خدا کی طرف سے مان لیا اس میں اختلاف نہیں ہوا جہاں مسلمان نے اپنا اختیار استعمال کیا وہاں سے اختلاف ہو گیا۔ اگر مسلمان نے میراث میں خدا کے قانون کو تسلیم کر لیا تو کوئی اختلاف نہ ہوا اور اگر اس نے اپنے قانون رواج کو تسلیم کیا تو اختلاف رونما ہوا۔ پابند شرع لوگ کبھی حصہ میراث پر جو مقرر ہے جھگڑا نہیں کرتے اور نہ ہی ان کو تقسیم پر کوئی شکایت ہوتی ہے۔ امن عالم کا پیغام لے کر جو دین آیا وہ اسلام ہے آدمؑ سے لے کر خاتم النبینؐ تک اسلام تھا اور ہے۔ شریعتیں ضرور بدلتی رہیں لیکن دین تبدیل نہیں ہوا۔

ہم نے تحقیقاتی رپورٹ میں لفظ "مسلم" کی تعریف میں اختلافی آراء دیکھیں۔ "مسلم" کے لغوی معنی ہیں مذہب اسلام کا پیرو۔ اسلام کے معنی ہیں اللہ کے قانون کے سامنے سر جھکانا لغت میں اسلام کے دو معنی ہیں ایک سر نہادن بہ طاعت اور دوسرے سپردن۔ یعنی اطاعت کے لیے سر جھکانا اور اپنے کو سپرد کر دینا اس کا مطلب یہ ہوا کہ "مسلم" کی اپنی کچھ مرضی رہی ہی نہیں۔ اگر خود مسلمان اپنے آپ کو "مسلم" کہیں تو اس وقت تک مسلم نہیں ہوتے جب تک کہ اسلام کی صفات اس میں نہ ہوں۔ من اسلم وجھہ للہ نے یہ بتا دیا کہ جو شخص اپنی شخصیت کو اللہ کے سپرد کر دے در آنحالیکہ حسن عمل بھی رکھتا ہو۔ فقط دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔ فقط نام کا اسلام ہو اس میں ایمان سے کام نہیں چلتا اس کے ساتھ ساتھ حسن عمل و یقین رکھتا ہو

"لا طاعته المخلوق فی معصیت الخالق" خالق کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔ اس لیے اب ہم جو جو اطاعتیں کر رہے ہیں وہ سب مشروط ہیں کہ اللہ کے کلام سے نہ ٹکرائیں۔ اب اگر قرآن نے کسی اطاعت کا غیر مشروط طور پر حکم دیا ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کا حکم خدا کے حکم سے نہیں ٹکراتا۔ آیت اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم میں جیسے اللہ کی اطاعت کا مطلق حکم ویسے ہی رسولؐ کی اطاعت کا حکم مطلق تو ماننا پڑے گا کہ رسولؐ کا حکم اللہ کے حکم سے کبھی نہیں ٹکراتا۔ اولی الامر کون ہیں۔ خالق نے آمرین نہیں کہا یعنی جو حکمران ہوں یہ نہیں کہا۔ اگر کوئی لفظ "منکم" سے فائدہ اٹھائے تو منکم اور "منہم" میں ضمیروں کا اختلاف ہے ترتیب تو ایک ہی ہے یہی "منہم" تو رسول کے لیے وبعث والا میین رسول منہم" کی آیت میں آیا ہے کیا رسالت مآب ﷺ جو انہیں میں سے تھے ان کے منتخب کردہ تھے۔ نہیں تو جس کے منتخب کردہ رسولؐ اسی کا منتخب کردہ اولی الامر پس اولی الامر کوئی بھی ہوں لیکن وہ نہیں جنکے احکام خدا کے احکام سے ٹکرائیں وگرنہ اختلاف ہوگا جسکا نتیجہ ظلم۔ اسلام تو دین عدل ہے دین مساوات نہیں جہاں مساوات تقاضائے عدل ہو وہاں مساوات ضروری ہے ترک مساوات ظلم ہوگا جہاں مساوات ظلم ہو وہاں پھر عدم مساوات میں عدل مضمر ہوگا۔ انسان اگر واقعی "مسلم" ہے یعنی اللہ کے سامنے سر جھکائے ہوئے یا اپنے کو سپرد کئے ہوئے ہے تو اب اللہ کے مقابلہ میں نہ اسکی انفرادی رائے کچھ ہوگی اور نہ اجتماعی تو اب اسکے احکام کے مقابلہ میں یہ اپنی رائے سے کام نہیں لے گا کسی صاحب ایمان مرد یا عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اس کا رسولؐ کوئی فیصلہ کردے تو خود اسکو اپنے معاملہ میں کوئی اختیار رہے۔ جب تک اسلام باقی ہے راستہ باقی ہے اور راستہ پر چلنے والے موجود ہیں تب تک اولی الامر کی ضرورت ہے لہٰذا یہ عہدہ ختم نہیں ہو سکتا قانون الٰہی موجود جو انسان کے وضع کردہ قوانین سے بالاتر ہے۔ اقوال و افعال رسول موجود جو مطابق قانون الٰہی ہیں اور ہر خطا سے پاک ہیں۔ لہٰذا ان دونوں کی موجودگی میں اور انکے نفاذ میں جو من و عن ہو نہ تو کسی قانون کے وضع کرنیکی ضرورت ہے اور نہ ہی اسمیں کتر بیونت کی حاجت کیونکہ دین کامل ہے ہردو قرآن و اقوال رسولؐ ایک مرکز حقوق کی جانب سے جو مادی نہیں ہے جاری کئے گئے ہیں ان میں ٹکراؤ نہیں ہے چونکہ ہمارا رسولؐ کچھ نہیں کہتا ماسوائے

اسکے کہ وحی ہو لہٰذا ہر عمل و قول رسولؐ قانون الٰہی کے مطابق لہٰذا اب کسی ایسے نئے ضابطہ حیات کی ضرورت نہیں رہتی جو اصل ضابطہ کی تنسیخ ترمیم یا اضافہ کرے۔
اسلام ایک ایسا نظام ہے جو ہر شعبہ حیات کو محیط کیے ہوئے ہے اسمیں مسلمات یعنی بنیادی عقائد' عبادات' اخلاقیات' ادارات معاشرتی' اقتصادی' سیاسی اور خالص قانون یعنی شریعت کے متعلق قواعد و ضوابط بتائے گئے ہیں جنکی بنیاد وحی پر ہے اور اس خدائے تعالیٰ نے وضع کئے ہیں جسکے علم میں ہر شے ہر زمانہ اور مخلوق کی ہر حاجت ہے چونکہ ایک مسلمان ماسوائے اطاعت اپنی مرضی کچھ نہیں کر رکھتا اسلئے اسکو چاہیئے کہ ان تمام قواعد ضوابط کو تسلیم کرے ان پر عمل کرے قانون کی اطاعت کرے اور ان ادارات کو قائم کرے خواہ انکی مصلحت عقل انسانی میں نہ آسکے اسکے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ پروردگار عالم کا عطا کیا ہوا ضابطہ منزہ عن الخطا ہے لہٰذا جو کچھ ہم سے کرنے کیلئے کہا گیا ہے اسپر عمل کریں اسکی حقیقت اور صداقت کو مانیں کیونکہ علم پروردگار عالم خواہ کسی امر کے متعلق ہو کامل اس کی مشیت حق۔ اس سے انکار کفر۔ اسلئے اسلام کے ماننے والوں کا صحیح کام یہ ہے کہ وہ اس قانون الٰہی کو سمجھیں اس پر ایمان لائیں اور اس پر عمل کریں۔

اسلامی مملکت قائم کرنے والے لوگوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ حالات حاضرہ پر جس حکم کا وہ اطلاق کرنا چاہتے ہیں وہ آیا قرآن و حدیث میں موجود ہے ظاہر ہے کہ اس مقصد کیلئے موزوں ترین اشخاص وہی ہونگے جنہوں نے زندگی میں قرآن و حدیث کا سیر حاصل مطالعہ کیا ہے یعنی ہر فرقہ کے علماء و مجتہدین۔ ان کا یہ کام ہے کہ وہ ایسے احکام کی تلاش میں مصروف رہیں جن کا اطلاق مخصوص حالات اور صورتوں میں ہو سکے۔ اسلام دین و سیاست کا وہ مجموعی نظام ہے کہ جو بھی صورت حالات پیدا ہوں اسمیں اسکے متعلق احکامات موجود ہیں صرف ایسے قوانین کا اخذ و انکشاف کرنا ضروری ہے لہٰذا ایسے قوانین جو اجماع علماء یا اجتہاد سے مستنبط کئے جائیں وہ انسانی فعالیت کے پورے دائرے پر حاوی ہوں گے۔

دنیائے اسلام کے مسلمان ضد و اختلاف کا پیکر بنے ہوئے ہیں وہ قطعی غافل ہیں کہ اسلام دشمن طاقتیں آج بھی ان سے سرد جنگ لڑ رہی ہیں وہ انکے افتراق و اختلاف سے فائدے اٹھا رہے ہیں انکے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی جارہی

ہے مسلمان ان دشمن طاقتوں کے دست نگر بن کر رہ گئے ہیں انکے معاشی اور سیاسی مشکلات کا حل ان دشمن طاقتوں نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہوا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اللہ کی حاکیت کو چھوڑ کر اسلام دشمن طاقتوں کو اپنا حاکم و آقا مان لیا ہے دستور الہی کو ترک کرکے مادی آقاؤں کا دستور اپنا لیا ہے دنیائے اسلام اس وقت نفاق افتراق و جنگ میں مبتلا ہے۔

اس کا واحد حل یہی ہے کہ مسلمان اپنے مادی آقاؤں کی اطاعت ترک کرکے ایمان کلمہ کے ساتھ اللہ کی حاکیت اور اسکے قانون کی اطاعت کریں اور آپس کے اختلاف کو قانون الہی کی روشنی میں ختم کریں اور حال کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے تحقیق قانون اسلامیہ کرکے حل تلاش کریں اور توضیحات بمطابق قرآن و سنت کی جائیں واضح اور صحیح فکر کا فقدان اور فہم و فیصلہ کی نااہلیت ہی مسلمانوں میں ابتری کا باعث ہے۔ ہر فرقہ کے علماء و مجتہدین اگر اپنے اپنے مسلک کے مطابق قرآن و حدیث سے قانون کا استنباط کریں اور اس کا اطلاق اپنے اپنے فرقہ کے لوگوں پر ہو اور ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے استنباط و توجیہات کو غلط نہ کہے اور اعتراض نہ کرے اسی صورت میں ہر فرقہ اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے ایک فلاحی معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کرسکتا ہے۔ اور پھر ایسا معاشرہ دنیا کیلئے امن و امان کا ایک مثالی گہوارہ بن جائیگا۔

وما علینا الا البلاغ

ظہور امام مہدیؑ قریب تر ہے

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے جس میں قرآنی حروف مقطعات ائمہ علیہم السلام کی روایات سے غیرمذاہب کے لوگوں' نجومیوں اور ناسٹر ڈیمس جیسے دیگر مستقبل شناس لوگوں کی پیشن گوئیوں کا تذکرہ ہے اور عالمگیر جنگ' نصرانیوں اور یہودیوں کی سازشوں اور ان کے کردار کا ذکر ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہور امامؑ قریب تر ہے۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی منفرد ہے۔